وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور نصیحت کرتے رہو اس لئے کہ نصیحت اہلِ ایمان کو فائدہ پہنچاتی ہے

# شاید کہ تیرے دل میں
# اتر جائے میری بات


مرتّب

**امتیاز احمد**

(ماسٹر آف فلاسفی (لندن))

مترجمین

حامد لطیف حامد ☆ عفی احمد فاروقی

# شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات


مصنف: ..........................................امتیاز احمد

شہریت: ..........................................امریکی

تعلیم: ..........................................ماسٹر آف فلاسفی (لندن)

تجربہ:

۱۔ ہیڈ آف فزکس ڈیپارٹمنٹ، گورنمنٹ ڈگری کالج، اسلام آباد، پاکستان

۲۔ پرنسپل اسلامک اسکولز۔ امریکہ

۳۔ جنرل منیجر مرسی انٹرنیشنل (Mercy Inetrnational) اسلامی رفاعی ادارہ امریکہ

۴۔ بانی توحید مسجد آف فارمینگٹن ہل میشیگن (Farmington Hill, Michigan)
اینڈ توحید مسجد آف ڈیٹرائٹ میشیگن امریکہ (Detroit, Michigan)

۵۔ مشیر عریبین ایڈوانس سسٹمز، سعودی عرب (Arabian Advanced Systems)

مصنّف کا پتہ: ص۔ب: 4321، مدینہ منورہ۔ سعودی عرب

ای میل: imtiazahmad_100@yahoo.com


نوٹ: آپ اپنے تاثرات بذریعہ ای میل مصنف کو بھیج سکتے ہیں۔


منسٹری آف انفارمیشن سعودی عرب کا اجازت نامہ

امتیاز احمد، ۱۴۲۴ھ

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

احمد، امتياز

وذكر فان الذكرى تنفع المؤمنين / امتياز احمد۔ المدينة المنورة، ۱۴۲۴ھ

۱۵۲ ص، ۲۱ سم

۱- خطبات

ديوى: ۱۴۲۴/۴۹٦۸

رقم الايداع: ۱۴۲۴/۴۹٦۸

ردمك: ۰-٤٧٦-۱۰-۹۹٦۰

طابع: احمد گرافکس، کراچی، پاکستان، ای میل: info@ahmedgraf.com

# فہرست

# تعارف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

میں نے چھبیس سال کا جو طویل عرصہ امریکہ میں گزارا ، وہ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور مہربانیوں سے بڑا ہی سودمند ثابت ہوا۔ حالانکہ میں اس دوران کافی نشیب وفراز سے گزرا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اپنے صحیح راستے کی طرف میری رہنمائی فرمائی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۴۳ میں فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِیۡ یُصَلِّیۡ عَلَیۡکُمۡ وَ مَلٰٓئِکَتُہٗ لِیُخۡرِجَکُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ؕ وَ کَانَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَحِیۡمًا ﴿۴۳﴾

(ترجمہ) وہی تو ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تا کہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے ، اور اللہ مومنوں پر بڑا مہربان ہے۔

یہی ہدایت اللہ تعالیٰ کا ہمارے لئے سب سے اہم تحفہ ہے۔ دراصل اس کتاب کے مضامین میرے لئے ہدایت کا ذریعہ بنے۔ اور اللہ تعالی نے مجھے اس ہدایت سے سرفراز فرمایا۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب قارئین کو بھی ہدایت فراہم کرے گی پس دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کے ایمان کو تقویت اور فروغ دے۔ آمین!

یہ مضامین کب اور کیسے معرض وجود میں آئے۔ اس کی تاریخ دلچسپی سے خالی نہیں۔ میں نے ۱۹۷۱ء میں روزگار کے حصول کے لئے امریکہ نقل مکانی کی۔ اس وقت بڑے بڑے شہروں میں بھی بمشکل ایک یا دو مساجد تھیں۔ مسلمان طلباء اپنی نمازیں اور جمعہ یونیورسٹی کے کمروں میں ادا کرتے تھے۔ مساجد میں اسلامی تعلیم کا انتظام نہ ہونے کے برابر تھا۔ مناسب اساتذہ دستیاب نہ تھے۔ جن احباب کا عربی تلفظ اچھا تھا۔ انہیں اچھی انگریزی بولنی نہ آتی تھی۔ اور جو

انگریزی بول سکتے تھے۔ اُن کا عربی تلفظ ناقص اور ان کی اسلامی تعلیم محدود تھی اور خطابت کا تجربہ تو بالکل مفقود تھا۔ اکثر مساجد میں کوئی مستقل امام مقرر نہ تھا۔ البتہ کیمونٹی کے لوگ اپنی مدد آپ کے تحت کچھ نہ کچھ تعلیم فراہم کرنے کی کوشش کرتے تھے اور امامت اور خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ میں نے ایسے ماحول میں تقریباً بارہ سال گزارے اور اسلامی تعلیم کے لحاظ سے میری حیثیت کنویں کے مینڈک سے مختلف نہ تھی۔ میں اس تلاش میں تھا کہ کسی پڑھے لکھے امام سے استفادہ کروں۔ اس غرض سے میں نے لاس اینجلس نقل مکانی کی کیونکہ وہاں ہمارے شہر کی نسبت اسلام کا علم حاصل کرنے کے لئے زیادہ مواقع تھے۔ اس شہر کی اورنج کونٹی (Orange County) کی مسجد کے ڈائریکٹر ڈاکٹر مزمل صدیقی صاحب ہر اتوار کو قرآن پاک کی تفسیر بیان فرماتے۔ جس سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ میں فقہ میں بہت حد تک کورا ہوں۔ اگر آپ ہر ہفتہ فقہ کے مضامین پر بھی لیکچر دے دیا کریں تو یہاں کے بہت سے لوگوں کو فائدہ پہنچے گا۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ سلسلہ بھی شروع کر دیا جو چند سال تک جاری رہا۔ اس تعلیم کے نتیجے میں میں نے تنگ نظری کو خیرباد کہہ دیا اور اسلامی لحاظ سے مجھ میں وسعت نظری پیدا ہوگئی اس دوران میں جستہ جستہ قرآن پاک حفظ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن میں اس وقت تک کوئی سورۃ حفظ نہ کر پاتا جب تک اس کی تفسیر اور معانی ذہن نشین نہ کر لیتا۔ اس طرح بفضلِ تعالیٰ چند پارے زبانی یاد ہو گئے اور معانی پر بھی عبور حاصل ہوگیا۔ اس جامع مسجد کے امام حافظ اسماعیل صاحب چند ماہ کی چھٹی پر انڈیا تشریف لے گئے اور مجھے قائم مقام امام مقرر کر گئے اب مجھے دن رات بہت محنت کرنی پڑی۔ تعلیم و تربیت کے یہ مواقع اللہ تعالیٰ نے فراہم کر دیئے۔

اس عرصہ کے دوران امریکہ کے ہر شہر میں کئی نئی مساجد معرض وجود میں آئیں ۔ اور ہر یونیورسٹی کے کیمپس پر بھی جمعہ کی نماز ادا کی جانے لگی۔ چونکہ خطیب بہت محدود تھے اس لئے کیلیفورنیا کی ایک یونیورسٹی کے طلباء کے اصرار پر میں نے ہانپتے کانپتے پہلا خطبہ دیا۔ خطبہ لکھنا ایک بات ہے اور اس کی ادائیگی دوسری بات ہے۔ تاہم امریکی اسکولوں کے تجربہ کار ٹیچر کی

حیثیت سے مجھے ادائیگی میں زیادہ مشکل نہ ہوئی۔ یونیورسٹی کے طلباء کی حوصلہ افزائی پر میں نے کئی اور خطبے دیئے۔ پس اس طرح میں نے مختلف عنوانوں کے تحت بہت سے خطبے تیار کر لئے۔ اب حالت یہ تھی کہ میں ہر جمعہ کسی نہ کسی مسجد میں خطیب کے فرائض انجام دیتا۔ یہاں تک کہ اورنج کونٹی کی بڑی مسجد میں بھی خطبہ دینے کا موقع ملا۔

تقریباً چھ سال کے قیام کے بعد میں نے لاس اینجلس سے ڈیٹرائیٹ شہر کے قریب نقل مکانی کی۔ اب میں با جماعت نماز پڑھنے کا عادی ہو چکا تھا۔ لیکن اس علاقے میں کوئی مسجد نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں نے یہاں مسجد توحید فارمینگٹن ہل تعمیر کی۔ شروع شروع میں زیادہ تر خطبے مجھے خود ہی دینے پڑتے تھے۔ چند برس بعد میں نے بفضلِ تعالیٰ ایک دوسری مسجد ڈیٹرائٹ شہر میں بھی قائم کر دی۔ میں اس ریاست میں بھی ہر جمعہ کو کسی نہ کسی مسجد میں خطیب کے فرائض انجام دیتا۔ کبھی کبھار پڑوس میں ونڈسر (کینیڈا) بھی جانا پڑتا۔

مسجد توحید کے امام کی حیثیت سے میرے فرائض میں یہ بھی شامل تھا کہ اس ریاست کے قانون کے مطابق اسلامی طور پر امریکی مسلمانوں کا نکاح بھی پڑھاؤں اور خطبہ دوں۔ الحمدللہ بتدریج اس عمل میں بھی پختگی آ گئی۔

ان سرگرمیوں کے علاوہ میں مرسی انٹرنیشنل (جو کہ اسلامی رفاہی ادارہ ہے) کا جنرل منیجر بھی تھا۔ اس ادارہ کے لئے چندہ اکٹھا کرنے کا واحد ذریعہ یہ تھا کہ میں امریکہ کے بڑے بڑے شہروں کی مساجد میں جمعہ کے خطبے سے لوگوں کو متاثر کروں اور اس کے دوران چندہ کی اپیل کروں۔ میں حیران تھا۔ کہ نہ صرف مرد حضرات دل کھول کر چندہ دیتے بلکہ بعض خواتین بھی اپنے زیور کا پورے کا پورا سیٹ چندہ کے صندوقچے میں ڈال دیتیں اور رسید تک طلب نہ کرتیں۔

پس یہ سب خطبے جواب اردو میں شائع کئے جا رہے ہیں بہت سی مساجد میں انگریزی میں پیش کئے جا چکے ہیں۔ چونکہ ان کی تیاری سے خود میرے علم اور ہدایت میں اضافہ ہوا۔ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ پڑھنے والے بھی ان سے ضرور استفادہ کریں گے۔ واضح ہو کہ امریکہ میں جمعہ کے خطبے اور نماز کے لئے بمشکل پچیس منٹ ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ خطبات مختصر ہیں

لیکن الحمد للہ معنوی لحاظ سے بہت جامع ہیں۔

مجھے اس کاوش میں سب سے زیادہ فائدہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تفسیر معارف القرآن سے ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جناب مفتی صاحب کے درجات بلند فرمائے۔ آمین! میں یہاں اپنے سب اساتذہ کرام اور ان نوجوان بھائیوں کے لئے بھی دعا گو اور شکرگزار ہوں جنہوں نے میری اسلامی تعلیم وتربیت میں حصہ لیا۔

الحمد للہ چند سال قبل اللہ تعالیٰ کی رحمت مجھے مدینہ منورہ لے آئی۔ یہاں یہ خطبے انگریزی زبان میں مختلف ممالک کے حجاج کو کتاب (Speeches for an Inquiring Mind) کی شکل میں پیش کئے جنہوں نے انہیں بہ نظر استحسان دیکھا اور مجھے حوصلہ افزائی کے خطوط لکھے۔ ان حجاج کے چند خطوط اس کتاب میں شامل کر دیئے ہیں۔

کئی مخلص احباب کے اصرار پر اب یہ کتاب اردو زبان میں پیش کر رہا ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہم سب کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ میں ممبئی کے مترجمین حامد لطیف حامد صاحب اور عفی احمد فاروقی صاحب کا بے حد ممنون ہوں اور اسی طرح مدینہ منورہ کے ڈاکٹر اصغر علی شیخ صاحب اور ڈاکٹر شکیل احمد فاروقی صاحب کا بھی شکرگزار ہوں۔ کیونکہ ان سب کی مدد کے بغیر اس کتاب کو آپ کی خدمت میں پیش نہ کر سکتا۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس باہمی کوشش کو شرفِ قبولیت بخشیں۔ آمین

میری اہلیہ ڈاکٹر صوفیہ صاحبہ نے نہ صرف میری اسلامی سوچ اور عمل کو تقویت دی بلکہ میری سب کتب کی کئی ممالک میں اشاعت کرائی۔ میں اِن کے بے لوث جذبے کو بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان جیسا بنا دے۔

امتیاز احمد

۱۰ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ

مہاجر مدینہ منورہ

# شادی کا خطبہ

## السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آج ہم سب یہاں ڈاکٹر ظہور صاحب اور اسماء رضوی کی شادی کی دعوت ولیمہ میں شرکت کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں۔ میں ان دونوں کو نہ صرف اپنی طرف سے، بلکہ یہاں موجود تمام مسلمانوں، سب دوستوں اور رشتہ داروں اور دیگر مذاہب کے مدعو حضرات کی طرف سے شادی کی دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

اسلام ہمیں شادی کے پُرمسرت موقع پر خوشیاں منانے کی پوری پوری اجازت دیتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اسلام نہ صرف نئے شادی شدہ جوڑے کو بلکہ ان کو بھی جن کی شادیاں ہو چکی ہیں اور خاص کر ان کو جن کی شادیاں آئندہ ہونے والی ہیں، شادی کی اہمیت اور اس کی ذمے داریوں کی طرف پوری پوری رہنمائی کرتا ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شادی ایک انتہائی اہم اور مقدس فریضہ ہے۔ اور پرسکون ازدواجی زندگی اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ اسی لئے قرآن پاک میں ازدواجی زندگی کی سب سے زیادہ تفصیل دی گئی ہے۔

ایک کامیاب شادی وہی ہے جو اسلام کے بتائے ہوئے اصول وضوابط کی بنیاد پر کی گئی ہو۔ اس سے نہ صرف گھریلو زندگی کامیاب ہوتی ہے، بلکہ اس سے ایک بہتر معاشرے کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ سب سے پہلے ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں، جس نے شادی کے ذریعے ہمیں ایک کامیاب زندگی بسر کرنے کا صاف ستھرا، پاکیزہ اور فائدہ مند نسخہ عطا فرمایا۔ سورۃ النساء: ۲۸

وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيفًا

(ترجمہ) انسان (طبعاً) کمزور پیدا ہوا ہے۔

اگر ہمیں تمام عمر بغیر شادی کے زندگی گزارنے کو کہا جائے تو ہمارے لئے بہت ساری

مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نکاح کا قانون بنایا ہے۔ تاکہ ہم ہر لحاظ سے شادی کے قابل ہوتے ہی نکاح کر لیں۔ شادی بہت ساری انسانی کمزوریوں کو مٹاتی ہے۔ شادی دو انجانے انسانوں یعنی مرد اور عورت کے درمیان ہمدردی، محبت، اخلاص اور دو اجنبی خاندانوں کے درمیان اٹوٹ رشتوں کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ سورۃ الروم: ۲۱

وَ مِنْ اٰیٰتِہٖۤ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْۤا اِلَیْہَا وَ جَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّ رَحْمَۃً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

(ترجمہ) اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں، تاکہ تم ان سے آرام پاؤ۔ اُس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی۔ یقیناً غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

لہٰذا اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ مرد اور عورت کے درمیان شادی کے ذریعہ محبت، خلوص اور امن و امان کی فضا قائم کرنا چاہتا ہے۔

دونوں میاں بیوی کے آپس میں محبت، خلوص، ایثار و قربانی کا جذبہ یک طرفہ نہیں ہے بلکہ اس رشتہ کو آپس میں قائم و دائم رکھنے کے لئے دونوں برابر کے حصہ دار ہیں۔

قرآن پاک کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو الفاظ ایک ساتھ استعمال کئے ہیں۔ (۱) مودّت (۲) رحمت۔ علماء دین کا کہنا ہے کہ دونوں الفاظ کا مطلب محبت ہے۔ مودّت وہ محبت و کشش ہے جو میاں بیوی کے درمیان فطری طور پر جوانی میں ہوتی ہے اس کے برعکس بڑھاپے میں جب یہ جذبات کم ہو جاتے ہیں تو میاں بیوی اللہ کی رحمت سے سرشار ہو کر ایک دوسرے سے نہایت محبت اور عزت و احترام سے پیش آتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے چھوٹی سی آیت کریمہ کتنی فصیح و بلیغ ہے۔

اب میں میاں بیوی کے باہمی حقوق پر روشنی ڈالنا چاہوں گا۔ ہم سب کو دو طرح کے حقوق حاصل ہیں۔ ایک حق تجارت اور لین دین کے سلسلہ میں ہے۔ ان حقوق کی وضاحت تجارت کے معاہدوں میں درج ہوتی ہے اور اس کے فیصلے بھی اسی معاہدے کی روشنی میں ہوتے

ہیں۔ اگر اس سلسلہ میں کوئی تنازعہ ہوتا ہے تو اس کا فیصلہ قاضی کی عدالت میں ہوتا ہے۔

پھر دوسرے حقوق وہ ہیں جو والدین اور اولاد اور دیگر رشتے داروں کے درمیان ہوتے ہیں یا شوہر اور بیوی کے درمیان ہوتے ہیں۔ دنیا میں آج تک کوئی ایسا آلہ یا پیمانہ ایجاد نہیں ہوا جو یہ بتا سکے کہ کس کے لئے کس کے دل ودماغ میں کتنی محبت یا کتنا خلوص یا کتنی ہمدردی ہونا چاہئے؟ سوائے اس کے کہ انسان کے دل میں اللہ کا ڈر اور خوف ہو اور روز آخرت میں جواب دینے کا احساس ہو تب وہ اس حق کو پورا پورا ادا کردے گا۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ بہت مختصر مگر نہایت جامع خطبہ دیتے مثلاً آپ فرماتے اتقوا اللہ۔ یعنی لوگو زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ اس کی وضاحت کے طور پر آپ ﷺ خطبہ نکاح میں سورۃ النساء کی پہلی آیت تلاوت فرمایا کرتے تھے جو درج ذیل ہے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝۱

(ترجمہ) لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار (یعنی آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا اور اس ہی جاندار سے اس کا جوڑا (یعنی زوجہ) پیدا کیا۔ پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دئے۔ اور اس اللہ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے اپنے حقوق کا مطالبہ کیا کرتے ہو اور خاص کر قرابت کے حقوق ضائع کرنے سے بھی ڈرو۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

سوال:۔ ہم اللہ تعالیٰ سے کیوں ڈریں؟

جواب:۔ چونکہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ اور ہمارا جسم و جان اس کی ذات پاک کا مرہون منت ہے۔ سورہ الانسان:۱

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝۱

(ترجمہ) بے شک انسان پر زمانے میں ایک وقت ایسا بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی چیز قابل ذکر نہ تھی۔

اب اگر کسی کی عمر آج بیس سال ہے تو بتایئے پچیس سال پہلے اسے کون جانتا تھا؟ کوئی بھی نہیں! یہاں تک کہ خود اُس کے ماں باپ بھی اُس کے وجود سے لاعلم تھے! یہ اللہ ہی ہے جس نے اسے پیدا فرمایا۔ اللہ صرف ہمارا خالق ہی نہیں، ہمارا مالک اور رازق بھی ہے۔ لہٰذا ہماری تمام تر وفاداری صرف اور صرف اللہ کے لئے ہونی چاہئے۔

اگر اللہ چاہتا تو ہمیں کئی مختلف طریقوں سے پیدا فرما سکتا تھا لیکن اُس نے ہمیں ایک انسان آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا۔ تا کہ ہم یہ یاد رکھیں کہ ہم سبھی انسان ایک ہی خاندان کے افراد ہیں۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس عظیم الشان خاندان کے ہر فرد کے درمیان محبت، اخوت، بھائی چارہ اور ہمدردی کے جذبات جاری وساری ہوں۔ عالمِ انسانیت کو بین الاقوامی بھائی چارے کا سبق صرف اور صرف مذہب اسلام دیتا ہے اور دوسرے مذاہب اس بین الاقوامی بھائی چارے کا ڈھونگ ہی رچاتے ہیں۔

اب میں شوہر اور بیوی کے درمیان تعلقات اور ذمے داریوں کا ذکر قرآن حکیم اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روشنی میں کرنا چاہوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورہ النساء: ۳۴

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ

(ترجمہ) مرد عورتوں کے انچارج ہیں۔

اس آیت کریمہ کا لوگ غلط مطلب اخذ کرتے ہیں اِس لئے کہ لوگ اس ضمن کے متعلق قرآن حکیم کی دوسری آیات کو بھول جاتے ہیں۔ اس آیت کریمہ کا مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مرد عورت سے ظالموں اور جابروں جیسا سلوک کرے۔ سورۃ النساء: ۱۹

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ

(ترجمہ) اپنی عورتوں کے ساتھ مہربانی اور محبت سے پیش آؤ۔

اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے۔ سورۃ البقرہ: ۲۲۳

عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡهُمَا وَتَشَاوُرٍ

(ترجمہ) خانگی معاملات میں اپنی بیویوں سے صلاح ومشورہ ضرور کرتے رہا کرو۔

دراصل اسلام میں مرد وعورت کے حقوق برابر ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔سورۃ البقرہ ۲۲۸

وَلَهُنَّ مِثۡلُ الَّذِىۡ عَلَيۡهِنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ

(ترجمہ) اورعورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کے ہاں دونوں کے حقوق برابر ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ نے ہی دونوں کومختلف ذمے داریاں دی ہیں۔ جو ذمے داری مرد کو دی گئی ہے وہ صرف مرد ہی بخوبی ادا کرسکتا ہے اور جو ذمے داری عورت کو دی گئی ہے، وہ صرف عورت ہی بخوبی ادا کرسکتی ہے۔

پس ہر شوہر کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اُس سے ہر بات میں مشورہ کرلیا کرے۔ پھر اس کی روشنی میں فیصلہ صادر کرے اور اگر مرد کا فیصلہ غلط ثابت ہوتو اس کے نقصان کا پورا پورا ذمے دار وہ خود ہوگا۔ اور اس کے لے اسے دنیا وآخرت دونوں میں جواب دینا ہوگا۔ پس انچارج یا حاکم ہونا مرد کے لئے ایک کٹھن امتحان ہے۔

ابھی تک میں نے صرف مردوں کو ہی نصیحت کی ہے۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کیا عورتوں کے لئے کوئی حکم یا نصیحت نہیں ہے؟ ہے کیوں نہیں!

سوال:۔ اچھی اور نیک عورت کون ہے؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔سورۃ النساء: ۳۴

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَيۡبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ

(ترجمہ) تو جو نیک بیبیاں ہیں وہ مردوں کے حکم پر چلتی ہیں اوران کے پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت میں (خاوند کی دولت وآبرو کی) پاسبان ہوتی ہیں۔

دولت سے مرادصرف مال واسباب ہی نہیں بلکہ اولاد کی پرورش بھی ہے۔ لہٰذا اسلامی

طریقہ پر اولاد کی پرورش بہت ہی اہم ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو عورتیں مال واسباب کی حفاظت کے علاوہ پوری ایمانداری سے اپنی اولاد کی پرورش ونگہداشت کریں گی، اللہ تعالیٰ خود ان عورتوں کی ہر ممکن امداد فرمائے گا۔

اس آیت کریمہ کی وضاحت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''بیویوں میں سب سے اچھی بیوی وہ ہے جسے دیکھتے ہی تمہارے دل میں خوشی کا احساس جاگے۔ جب تم اس سے کسی کام کا کہو تو وہ فوراً اس کی تعمیل کرے اور جب تم اس سے دور رہو تو وہ تمہاری غیر موجودگی میں اپنے آپ کو اور اپنے مال واسباب کو حفاظت میں رکھے۔'' (بخاری)

زندگی میں ہمیشہ ہی کامیابی، کامرانی، خوشیاں اور آسانیاں میسر نہیں ہوا کرتیں۔ کبھی کبھی اونچ نیچ کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر ہم سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سورۃ التغابن: ۱۴

وَ اِنۡ تَعۡفُوۡا وَ تَصۡفَحُوۡا وَتَغۡفِرُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ

(ترجمہ) اور اگر تم معاف کرو اور درگزر سے کام لو اور بخش دو تو بلاشبہ اللہ بہت معاف کرنے والا ہے۔

معاف کردینے کی صورت میں آپ کی ہار نہیں بلکہ ایک طرح سے آپ کی جیت ہوتی ہے! لہٰذا اپنے باہمی اختلافات دور کرتے وقت میاں بیوی دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آنا چاہئے۔ ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا، کوسنا، جلی کٹی باتیں کرنا اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک اور بھی برا ہے۔ لہٰذا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''اپنے والدین کو گالی مت دیا کرو۔'' صحابہ کرامؓ نے پوچھا؟ ''یا رسول اللہ کوئی اپنے والدین کو گالی کیسے دے سکتا ہے؟'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم دوسروں کے والدین کو گالی دو گے دوسرے بھی طبعاً تمہارے والدین کو گالی دیں گے۔ اس طرح تم اپنے ہی والدین کو گالیاں دلوانے کا ذریعہ بن جاؤ گے۔'' اس لئے اللہ تعالیٰ قرآن حکیم کے ذریعہ نہ صرف ہمیں ایک دوسرے کو معاف کرنے کی ہدایت فرماتا ہے بلکہ ہمیں یہ بھی یاد دلاتا ہے کہ ہم

غصہ کی حالت میں اپنے گذشتہ اچھے تعلقات کو فراموش نہ کریں۔سورۃ البقرۃ ۲۳۷ میں ارشاد ہوا ہے۔

وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ

(ترجمہ) اور آپس میں بھلائی کرنے کو فراموش نہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے درمیان باہمی تعلقات کو خوشگوار اور مضبوط بنانے کا طریقہ کار بھی بیان فرماتے ہیں۔سورۃ البقرۃ: ۱۸۷

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ

(ترجمہ) وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم اُن کی پوشاک ہو۔

میں آپ سب سے ایک سوال کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔لباس کا مقصد کیا ہے؟ لباس ہمیں گرمی، سردی، دھول اور مٹی سے محفوظ رکھتا ہے۔ٹھیک اسی طرح میاں بیوی بھی ایک دوسرے کے محافظ ہیں۔ ایک دوسرے کی ڈھال ہیں۔جس طرح لباس کسی حد تک ہماری جسمانی بدصورتی اور ظاہری عیوب کو چھپاتا ہے۔بالکل اسی طرح میاں بیوی کو ایک دوسرے کی جسمانی اور اخلاقی خامیوں اور کمزوریوں کو دوسرے سے چھپانا چاہیئے۔

لباس مردانہ اور زنانہ حسن وخوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح اگر میاں بیوی ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہیں تو ایک جوڑے کی حیثیت سے ایک دوسرے میں نکھار پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔علاوہ ازیں لباس پہننے والے کی خوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے۔ پس میاں بیوی کو صرف شادی بیاہ کی تقریبات میں حصہ لیتے وقت پرکشش لباس زیب تن نہیں کرنا چاہیئے بلکہ شوہر اور بیوی کو ہر وقت ایک دوسرے کے لئے زیادہ سے زیادہ پرکشش بنے رہنے کی پوری پوری کوشش کرنا چاہیئے۔مثال کے طور پر ہر مرد کو گھر میں اور گھر کے باہر بھی بھدّے اور بے جوڑ کپڑے نہیں پہننا چاہیئے۔یہی مثال عورت پر بھی صادق آتی ہے۔اس لئے دونوں میاں بیوی کو اچھے سے اچھا لباس زیب تن کر کے ایک دوسرے کے لئے خلوص اور محبت کا اظہار کرنا چاہیئے۔یاد رہے کہ لباس صرف ظاہری حسن میں ہی اضافہ نہیں کرتا بلکہ اس سے

دونوں کے حسن اخلاق کا بھی مظہر ہوتا ہے۔

اس ضمن میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ لباس مرد اور عورت دونوں کے جسم کے قریب ترین چیز ہے۔ یہ جسم سے چپکا ہوا رہتا ہے، لپٹا ہوا رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح شوہر اور بیوی کو بھی ایک دوسرے سے ایسے ہی قریب رہنا چاہئے۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ شوہر صرف اپنے رشتہ داروں کے ساتھ میل ملاپ رکھے اور بیوی صرف اپنے رشتے داروں کے ساتھ میل جول رکھے۔ سب سے زیادہ قربت میاں بیوی میں ہونی چاہئے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے پوشیدہ رازوں سے بھی پوری طرح واقف رہتے ہیں۔ دونوں کو ایک دوسرے کے راز فاش نہیں کرنے چاہئیں۔

دنیا بھر کہ کسی بھی زبان کی کسی بھی کتاب میں اس اہم موضوع پر اتنا مختصر اور پر معنی جملہ نہیں ہے جیسا قرآن حکیم میں موجود ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط

(ترجمہ) وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم اُن کی پوشاک ہو۔

میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس آیت مبارکہ کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

میں آخر میں ایک بار پھر شادی شدہ جوڑے کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

# اسلام میں سلام کی اہمیت

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے۔ الحشر : ۲۳

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾

(ترجمہ) وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ بادشاہ (حقیقی) پاک ذات (ہر عیب سے)، سالم امن دینے والا، نگہبان، غالب، زبردست، بڑائی والا۔ اللہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔

اس آیت کریمہ میں ''سلام'' اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ہے۔ آیئے ہم لفظ ''سلام'' کے معنی، اہمیت اور استعمال جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

ظہورِ اسلام سے قبل اہلِ عرب آپس میں ایک دوسرے کو حیاک اللہ، یعنی اللہ تمہاری عمر دراز کرے۔ کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ دین اسلام نے اس کی جگہ ایک انتہائی پر معنی طریقہ بتایا وہ یہ ہے، ''السلام علیکم'' جس کے معنی ہیں اللہ تمہیں ہر طرح کے رنج وغم، نقصان اور تکالیف سے محفوظ و مامون رکھے۔

احکام القرآن میں ابن العربی فرماتے ہیں: السلام اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک ہے، جس کا مطلب ہے ''اللہ تمہارا نگہبان ہو''۔

دینِ اسلام میں سلام کا یہ طریقہ دنیا کے دیگر مذاہب کے تمام طریقوں سے بہتر اور بامعنی ہے جس کی مندرجہ ذیل تین وجوہات ہیں:

۱۔ سلام صرف محبت اور خلوص کے اظہار ہی کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ ایک انتہائی معقول طریقہ سے اپنے اسلامی بھائی کے لئے ایک مختصر مگر مکمل دعا بھی ہے۔ سلام کرنے والا گویا خلوصِ دل سے دعا کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف آپ کو سلامتی دے بلکہ آپ کو ہر دکھ،

تکلیف، مصیبت، پریشانی اور ہر رنج وغم سے محفوظ و مامون رکھے۔ یہ طریقۂ سلام اس طریقۂ سلام سے کہیں زیادہ بامعنی اور جامع ہے جو ظہورِ اسلام سے قبل اہلِ عرب ایک دوسرے کے لئے استعمال کرتے تھے۔

۲۔ سلام کا یہ طریقہ ہمیں بار بار یاد دلاتا ہے کہ ہم ہر حالت میں اللہ کے محتاج ہیں۔ اللہ کی مرضی کے بغیر نہ کوئی کسی کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نقصان، اس طرح سلام ہر مسلمان کو اپنے عبد اور اللہ کے معبود ہونے کا احساس دلاتا رہتا ہے۔

۳۔ یاد رکھئے کہ جب بھی کوئی آپ کو یا آپ کسی کو سلام کرتے ہیں تو آپ دونوں گویا اس بات کا عہد کرتے ہیں بلکہ ایک طرح سے اللہ کو حاضر ناظر جان کر یہ کہتے ہیں کہ اے میرے بھائی تجھے میری زبان اور میرے ہاتھ سے کوئی نقصان نہیں پہونچے گا۔ اور یہ وعدہ بھی کرتے ہیں کہ تیری زندگی اور تیری عزت اور آبرو پر بھی میری طرف سے کوئی آنچ نہیں آئے گی۔

ابن العربی احکام القرآن میں فرماتے ہیں: تم جانتے ہو سلام کیا ہے؟ سلام کرنے والا اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ تمہیں اس کی طرف سے کسی بھی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہونچے گا۔ اس لئے ہم اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ

۱۔ سلام اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور جامع دعا بھی۔

۲۔ سلام ایک یاد دہانی ہے۔

۳۔ سلام دو مسلمانوں کے درمیان محبت اور خلوص کا عہد ہے۔

۴۔ سلام ایک عہد ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی عزت و آبرو کا محافظ اور نگہبان ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدیہ

سچا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے اس کے مسلمان بھائی کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہونچے۔ اگر ہم مسلمان صرف اس ایک حدیث کو سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو میرا دعویٰ ہے کہ آج بھی پوری امتِ مسلمہ محبت اور خلوص کے اٹوٹ بندھن میں بندھ سکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کی عادت کو عام کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور فرمایا کہ یہ سب نیک کاموں میں سے ایک نہایت اہم نیکی ہے اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کئی احادیث موجود ہیں جن سے سلام کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''تم اس وقت تک جنت میں نہیں جا سکتے جب تک کہ تم مومن (یعنی ایمان والے) نہ ہو۔ اور تم ایمان والے اس وقت تک نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم اپنے مسلمان بھائی سے محبت اور خلوص سے پیش نہ آؤ۔ آؤ آج میں تم کو ایسی بات بتاؤں جس کے عام کرنے سے تمہاری باہمی محبت میں یقینا اضافہ ہوگا اور وہ یہ ہے کہ تم جب بھی اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملو تو اسے سلام کرو، چاہے اسے جانتے ہو یا نہ جانتے ہو۔'' (مسلم)

عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کسی نے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تمام اعمال میں سب سے اچھا عمل کونسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''۱۔ دوسروں کو کھانا کھلانا۔ ۲۔ آپس میں سلام قائم کرنا، چاہے تم ایک دوسرے کو جانتے ہو یا نہ جانتے ہو''۔ (صحیحین)

ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے اللہ کے سب سے نزدیک وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرتا ہے۔'' (مسند احمد/ ترمذی/ ابوداؤد)

عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''السلام'' اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس لئے ہمیں سلام کو عام کرنا چاہیئے۔ جب کوئی کسی کو سلام کرتا ہے اور اگر کوئی اُس سے سلام کا جواب نہ دے تو اُس صورت میں اللہ کے فرشتے اُس کے سلام کا جواب دیتے ہیں''۔ (مسند بزار، معجم کبیر، طبرانی)

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''صحیح معنوں میں بخیل وہ ہے جو سلام کرنے میں بخل سے کام لے''۔ سورۃ النسا: ۸۶

وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾

(ترجمہ) اور جب تم کو کوئی سلام کرے تو (جواب میں) تم اس سے بہتر (کلمے) سے (اسے) سلام کرو یا انہیں لفظوں سے جواب دو۔ بیشک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ سلام کا جواب ویسا یا اس سے بہتر دینا چاہئے۔ مثلاً وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ، سلام کا جواب نہ دینے والا گنہ گار ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ کا آخری حصہ یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے یعنی کیا ہم نے ایک دوسرے کو سلام کیا، کیا سلام کا جواب دیا، سلام کی پہل کس نے کی، اللہ تعالیٰ ہمارے ہر عمل کا حساب رکھ رہے ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سلام سے متعلق مزید وضاحت فرماتے ہوئے امت مسلمہ کو حکم دیا ہے کہ:

۱۔ سوار شخص پیدل چلنے والے کو سلام میں پہل کرے۔

۲۔ پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام میں پہل کرے۔

۳۔ چھوٹا مجمع بڑے مجمع کو سلام کرے۔

۴۔ محفل سے اٹھ کر جانے والا باقی بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کرے۔

۵۔ گھر سے باہر نکلتے وقت اور داخل ہوتے وقت سلام کرے خواہ گھر میں کوئی بھی نہ ہو۔ اس سلام کا جواب فرشتے دیں گے۔

۶۔ کسی ایک ہی شخص سے جتنی بار ملاقات ہو اتنی بار سلام کرے۔

تین حالتوں میں سلام کا جواب نہ دینے کا حکم ہے!

۱۔ نماز کی حالت میں اگر نماز کے دوران جواب دیدیا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

۲۔ جب کوئی قرآن حکیم کی تلاوت کررہا ہو، یا جب موذّن اذان دے رہا ہو یا اقامت بول رہا ہو یا کوئی خطیب اسلام کا درس دے رہا ہو۔

۳۔ جب کوئی غسل یا حاجت وغیرہ میں مشغول ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مزید وضاحت فرمائی ہے۔ سورۃ الانعام: ۵۴

وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾

(ترجمہ) اور جب تمہارے پاس ایسے لوگ آیا کریں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو (ان سے) اسلام علیکم کہا کرو۔ اللہ نے اپنی ذات (پاک) پر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔ کہ جو کوئی تم میں سے نادانی سے کوئی بُری حرکت کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور نیکوکار ہو جائے تو وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو ہدایت فرما رہا ہے کہ آپ کے گرد جو (غریب) مسلمان جمع ہوں آپ ان کو سلام کہا کیجئے۔ کیونکہ عرب کے امیر وکبیر کفارانِ قریش چاہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان غریب مسلمانوں کو اپنے پاس نہ آنے دیں۔ لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحکم اللہ تعالیٰ ان غریبوں کو سلام کیا کرتے تھے۔ جس سے ان کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی، علاوہ ازیں ان مفلس مگر مخلص مسلمانوں کے لئے یہ خوشخبری بھی تھی، کہ اگر یہ لوگ کوئی غلطی بھی کر بیٹھیں پھر توبہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دیں گے۔

میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے، آپ سب کو اور پوری امتِ مسلمہ کو سلام کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

# متقین کے اوصاف

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔سورۃ آل عمران: ۱۳۳

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

(ترجمہ) اور اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے۔ اور جو (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

ایک متقی شخص کس کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے متقین لوگوں کے اوصاف بیان فرمائے ہیں،سورۃ آل عمران: ۱۳۴

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

(ترجمہ) جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ اور غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں۔ اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

پس متقین لوگوں کا پہلا وصف یہ ہے کہ وہ فراخی میں بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور تنگ دستی میں بھی۔ بہ الفاظ دیگر، اگر کسی کے پاس ایک ہزار روپیہ ہے تو وہ اس میں سے اللہ کی راہ میں ایک روپیہ خرچ کرتا ہے۔ اور اگر کسی کے پاس صرف ایک روپیہ ہے تو وہ اس میں سے اللہ کی راہ میں ایک پیسہ خرچ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں متقی ہیں۔ گویا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا متقی کی مستقل عادت ہوتی ہے۔

اگر ہم تنگ دستی کی حالت میں بھی اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے تو اللہ تعالیٰ تنگدستی کو فراخی اور کشادگی میں بدل دے گا۔ علاوہ ازیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کے دل میں کبھی بھی کسی کا مال دھوکے سے حاصل کرنے کا خیال بھی نہیں آئے گا۔ بلکہ وہ خود تنگدست

ہوتے ہوئے بھی دوسرے ضرورت مندوں کی مدد کرے گا۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس سوائے ایک کھجور کے کچھ بھی نہیں تھا۔ سو آپ نے وہ ایک کھجور بھی اللہ کی راہ میں خیرات کر دیا۔

ایک اللہ کے نیک بندے نے کچھ پاس نہ ہونے سے ایک پیاز ہی خیرات کر دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے محفوظ رکھنا چاہتے ہو تو ایک عدد کھجور ہی خیرات کر دو سائل کو کبھی خالی ہاتھ نہ جانے دو یہاں تک کہ اگر تمہارے پاس بکری کا ایک پایہ ہے تو اسے ہی خیرات کر دو۔''

امام رازیؒ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں ''ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیرات کے لئے اپیل کی۔ جو صحابہ کرامؓ امیر تھے، وہ سونا چاندی لائے۔ ایک شخص تھوڑی سی کھجوریں لے کر آیا۔ اور عرض کیا کہ میرے پاس اور کچھ بھی نہیں ہے۔ ایک اور شخص نے عرض کیا میرے پاس دینے کے لئے قطعی کچھ نہیں ہے۔ لیکن میں عزت کا صدقہ دیتا ہوں وہ یہ کہ میں غصہ دلائے جانے پر بھی طیش میں نہیں آوٴں گا۔ مثلاً اگر کوئی دیدہ دانستہ بھی میری بے عزتی کرے گا تو بھی میں برداشت سے کام لیتے ہوئے غصہ نہ کروں''۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے دوران غریب سے غریب مسلمان بھی اسلام کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ دیکھا گیا ہے جب انسان بہت امیر ہو جاتا ہے تو وہ عموماً مال کے نشے میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بھول جاتا ہے۔

اسی ضمن میں بہادر شاہ ظفر فرماتے ہیں:

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا، چاہے کتنا ہو صاحب فہم و ذکاء
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

یاد رکھیئے خرچ کرنے کے لئے صرف مال و متاع ہی نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ دیگر صلاحیتوں سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہونچانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۳۴ میں متقی لوگوں کے دیگر اوصاف بیان کئے گئے ہیں جو

مندرجہ ذیل ہیں: متقی وہ ہے جو شدید غصہ اور طیش کی حالت میں اپنے اوپر پورا قابو رکھے اور ضبط وتحمل سے کام لے۔ متقی لوگ وہ ہیں جو نہ صرف اپنے غصہ پر قابو رکھتے ہیں بلکہ وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے کو سچے دل سے معاف کر دیا کرتے ہیں۔ اور متقی لوگ وہ ہیں جو دوسروں پر احسان کرتے ہیں۔

امام بیہقی ایک روایت میں فرماتے ہیں ''ایک بار علی بن حسینؓ وضو فرما رہے تھے، ان کا غلام ایک برتن سے ان کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہا تھا، اچانک پانی سے بھرا ہوا برتن غلام کے ہاتھ سے چھوٹ کر حضرت علیؓ پر گر پڑا، غلام نے حضرت علیؓ سے فوراً معذرت چاہی اور ان کے غصہ سے بچنے کے لئے سورۂ آل عمران کی آیت کریمہ ۱۳۴ رک رک کر ٹکڑوں میں پڑھی۔ جب غلام نے کہا ''متقی وہ ہے جو غصہ آنے پر اپنا غصہ پی جائے''۔ حضرت علیؓ نے اپنا غصہ ظاہر نہ ہونے دیا۔ جب غلام نے آیت کا وہ حصہ پڑھا جس میں غلطی کرنے والے کو معاف کر دینے کی ہدایت کی گئی ہے، حضرت علیؓ نے اس غلام کو معاف کر دیا، اور جب غلام نے آیت کا وہ حصہ تلاوت کیا جس میں اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت علیؓ نے اس غلام کو فوراً آزاد کر دیا''۔

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل احادیث ملاحظہ فرمایئے:

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے قیامت کے دن اللہ ارشاد فرمائے گا ''وہ لوگ جن کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق ہے کھڑے ہو جائیں۔'' اس وقت ایسے تمام لوگ کھڑے ہو جائیں گے جن لوگوں نے اپنے اوپر ظلم کرنے والوں کو معاف کر دیا ہوگا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی جنت کے اعلیٰ درجات حاصل کرنا چاہتا ہے اُسے مندرجہ ذیل تین باتوں پر عمل کرنا ہوگا۔

۱۔ جو تمہیں اذیت پہونچائیں انہیں معاف کردو۔

۲۔ ایسے لوگوں کو تحائف دیا کرو جنہوں نے تمہیں کبھی کوئی تحفہ نہ دیا ہو۔

۳۔ ایسے لوگوں سے بھی میل ملاپ رکھو جو تم سے قطع تعلق کرنا چاہتے ہوں۔

پس مسلمانوں کو گاہے بگاہے ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیتے رہنا چاہئے۔ اُن لوگوں جیسے نہ بن جانا چاہئے جو صرف کرسمس یا ایسے ہی قومی تہواروں کے موقع پر ایک دوسرے کو تحائف دیا کرتے ہیں۔

یقیناً دنیا ایک کٹھن منزل ہے یہاں ہر شخص کے دشمن بھی ہوتے ہیں۔ ہمیں اپنے بدترین دشمن سے کس طرح کا سلوک کرنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نہایت جامع اور خوبصورت انداز میں ارشاد فرماتا ہے۔ سورۃ فصلت: ۳۴۔۳۵

وَ لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾

(ترجمہ) اور بھلائی اور بُرائی برابر نہیں ہوسکتی۔ تم (سخت کلام کا) ایسے طریقہ سے جواب دو جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے تم دیکھو گے) کہ یکا یک وہ شخص جس کے اور آپ کے درمیان عداوت تھی (ایسا ہو جائے) گا گویا وہ جگری دوست ہے۔ اور یہ (بات) نہیں ملتی مگر انہیں جنہوں نے صبر کیا اور یہ نہیں ملتی مگر بڑے نصیب والوں کو۔

ایک مرتبہ ایک شخص امام ابوحنیفہؒ سے سر بازار نہایت بے ہودگی اور بدتمیزی سے پیش آیا امام صاحبؒ نے اُس سے کچھ نہیں کہا۔ وہ اپنے گھر سے کچھ تحفے لے کر اُس آدمی کے گھر تشریف لے گئے۔ اُس آدمی کو تحائف دے کر فرمایا تم نے میرے ساتھ یہ بدسلوکی کرکے اپنے نیک اعمال کو میرے کھاتے میں ڈال دیا ہے اس لئے مہربانی کرکے یہ معمولی تحفے مجھ سے قبول فرمایئے، میں آپ کا بے حد مشکور ہوں۔

اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے مزید اوصاف بیان فرماتے ہیں۔ سورۃ آل عمران ۱۳۵۔۱۳۶

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۫ وَ لَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓىِٕكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ ط

(ترجمہ) اور وہ کہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور بُرائی کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں، اور اللہ کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے؟ اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے۔ ایسے ہی لوگوں کا صلہ پروردگار کی طرف سے بخشش اور باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ بستے رہیں گے۔ اور یہ ایسا عمل کرنے والوں کے لیے کیسا اچھا بدلہ ہے۔

یہاں اہم نکتہ یہ ہے کہ ہمیں جنت صرف اور صرف اُس صورت میں نصیب ہوگی جب اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرما کر ہمارے گناہ اور خطائیں معاف فرما دے گا۔ پس جنت میں داخلے سے پہلے بخشش اور مغفرت ضروری ہے۔

میں دعا گو ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم میں بھی متقی لوگوں کے اوصاف پیدا فرما دیں اور مغفرت کے بعد اپنی رحمت سے جنت فردوس عطا فرما دیں۔ آمین ثم آمین

ائمہ کرام مسجد نبوی شریف۔ مدینہ منورہ ۲۰۱۰ء

۱۔ الشیخ ڈاکٹر/ علی بن عبدالرحمن الحذیفی۔ پروفیسر کلیۃ القرآن۔ جامعہ اسلامیہ۔ مدینہ منورہ۔

۲۔ الشیخ ڈاکٹر/ عبدالباری الثبیتی۔ پروفیسر ٹیچر ٹریننگ کالج۔ مدینہ منورہ۔

۳۔ الشیخ ڈاکٹر/ حسین آل الشیخ۔ جج ہائی کورٹ۔ مدینہ منورہ۔

۴۔ الشیخ ڈاکٹر/ صلاح بدیر۔ جج ہائی کورٹ۔ مدینہ منورہ۔

۵۔ الشیخ ڈاکٹر/ عبدالمحسن القاسم۔ جج ہائی کورٹ۔ مدینہ منورہ۔

# منافقین

قرآنِ حکیم کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو تین گروہوں میں تقسیم فرمایا ہے۔

(۱) مومن (۲) کافر (۳) منافق

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مومنین کا مختصر ذکر فرمایا ہے۔ پھر کفار کا ذکر صرف دو آیات میں کیا ہے اور آخر میں منافقین کا ذکر نہایت تفصیل سے فرمایا ہے۔

منافقین کا ذکر اتنی تفصیل سے اس لئے ہے کہ یہ معاشرے کے بدترین افراد ہیں۔ اسلام کو کفار سے زیادہ نقصان ان منافقوں کی وجہ سے پہنچا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان منافقوں کے کردار کو پوری تفصیل سے بے نقاب کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان کے دردناک انجام کی بھی مفصل خبر دی ہے۔

آیئے، اب ہمیں دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ان منافقین کے بارے میں کیا فرماتا ہے۔ سورۃ البقرۃ: ۸۔۹

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ مَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ۘ﴿۸﴾
يُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ وَ مَا يَخۡدَعُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَ مَا يَشۡعُرُوۡنَ ؕ﴿۹﴾

(ترجمہ) اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔ یہ اپنے پندار میں اللہ کو اور مومنوں کو چکما دیتے ہیں مگر (حقیقت میں) اپنے سوا کسی کو چکما نہیں دیتے۔ اور اس سے بے خبر ہیں۔

غور فرمایئے حالانکہ یہ منافقین اللہ کی وحدانیت کا اعلان کر رہے ہیں اور روز قیامت پر یقین کا دعویٰ بھی کر رہے ہیں لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کا اقرار نہیں کر رہے ہیں۔ یہ اُس دور کے یہودیوں کا رویہّ تھا۔ پس جب تک رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کا اقرار نہ کیا جائے کسی بھی بات کا یقین کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں منافقین کے تین خواص بیان کیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔سورۃ البقرۃ: ۱۰

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ۬ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝۱۰

(ترجمہ) ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا۔اللہ نے ان کا مرض اور زیادہ کر دیا اور ان کے جھوٹ بولنے کے سبب ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جھوٹ بولنا کوئی معمولی گناہ نہیں ہے بلکہ جھوٹ بولنا گناہِ کبیرہ ہے جو ایک مومن کو منافق بنا دیتا ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ سورۃ الحج (۳۰) میں جھوٹ کا بت پرستی کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوا ہے کہ: ''اپنے آپ کو بت پرستی اور جھوٹ بولنے سے بچاؤ''۔

منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔سورۃ البقرۃ: ۱۱۔۱۲

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْۤا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝۱۱ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ لٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۲

(ترجمہ) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ ڈالو تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ دیکھو یہ بلاشبہ مفسد ہیں لیکن خبر نہیں رکھتے۔

پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔سورۃ البقرۃ: ۱۳

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَ لٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳

(ترجمہ) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح اور لوگ ایمان لائے تم بھی ایمان لے آؤ تو کہتے ہیں بھلا جس طرح بے وقوف ایمان لے آئے ہیں اسی طرح ہم بھی ایمان لے آئیں؟ سن لو کہ یہی بے وقوف ہیں لیکن نہیں جانتے۔

پس ایمان کی کسوٹی یہ ہے اور قابل قبول ایمان صرف وہ ہے جو کہ صحابہ کرام کی طرح کا ہو غور فرمایئے یہ صحابہ کرامؓ کی کتنی عزت افزائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے منافقین کی ایک اور خصلت اس طرح بیان فرمائی۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾ سورۃ البقرہ: ۱۴۔۱۵۔۱۶

(ترجمہ) اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ہم (پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے) تو ہنسی کیا کرتے ہیں۔ ان (منافقوں) سے اللہ ہنسی کرتا ہے اور ان کو ان کی سرکشی میں بڑھاتا ہے۔ وہ اندھے ہو رہے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی خریدی تو نہ تو ان کی تجارت ہی نے کچھ نفع دیا اور نہ وہ ہدایت یاب ہی ہوئے۔

پس اللہ تعالیٰ منافقین کو مہلت دے رہا ہے کہ وہ منافقت سے باز آ جائیں اور اس نے انہیں مومنین کی دشمنی کے اندھیرے میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیا ہے۔ یہ لوگ وہ ہیں جو ہدایت کے بدلے گمراہی خرید رہے ہیں۔ اور یہ صرف نقصان کا سودا ہے۔

اس کے برعکس آیئے دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ مومن مردوں اور مومن عورتوں کے بارے میں کیا ارشاد فرماتا ہے۔ الحدید: ۱۲

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾

(ترجمہ) جس دن (قیامت کے دن) تم مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھو گے کہ ان (کے ایمان) کا نور ان کے آگے آگے اور داہنی طرف چل رہا ہے (تو ان سے کہا جائے گا کہ) تم کو بشارت ہو (کہ آج تمہارے لئے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ان میں ہمیشہ رہو گے۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔

یہاں کئی باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مومن مردوں اور مومن

عورتوں کے اجر یکساں ہیں۔ روشنی ان کے داہنی طرف ہوگی، کیوں کہ ان کا اعمالنامہ ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اور یہ نور یا روشنی ان کے نیک اعمال کی وجہ سے ہوگی۔

اس ایک نقطہ کی وضاحت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کئی احادیث ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خوش خبری سنا دو ان لوگوں کو جو رات کی تاریکی میں مسجدوں میں عبادت کے لئے جاتے ہیں۔ قیامت میں اُن کے لئے ایک خاص قسم کا نور ہوگا۔ (ابن ماجہ)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو لوگ خشوع وخضوع کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرتے ہیں، اُن کو قیامت کے دن ایک خاص نور عطا کیا جائے گا۔ جو لوگ نماز کے سلسلہ میں اس کے برعکس ہوں گے اُن کا حشر قارون، ھامان اور فرعون کے ساتھ کیا جائے گا۔ (مسند احمد)

ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کوئی جمعہ کے روز باقاعدگی سے سورۃ کہف کی تلاوت کرے گا، قیامت کے دن اُن کو ایک نور عطا کیا جائے گا جو اُس کے قدموں سے آسمان کی بلندیوں تک جائے گا۔ (طبرانی)

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن حکیم کی ایک آیت ہی تلاوت کی اُس کو قیامت کے دن ایک نور عطا کیا جائیگا۔ (امام احمد)

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان نے مجھ پر درود وسلام بھیجا اُسے ایک نور عطا کیا جائے گا جس کی روشنی میں اُسے پل صراط کا راستہ طے کرنے میں آسانی ہوگی۔ (دیلمی)

اس طرح ہر نیک، متقی اور پرہیز گار مسلمان کو بروز قیامت ایک خاص نور عطا کیا جائے گا۔ جبکہ کفار ومنافقین کے لئے معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔ اللہ تعالیٰ منافقین اور کفار کے لئے فرماتا ہے۔ سورۃ الحدید ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ

قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

(ترجمہ) اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے کہ ہماری طرف نظر (شفقت) کیجئے کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے کو لوٹ جاؤ اور (وہاں) نور تلاش کرو۔ پھر ان کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کی جائے گی جس میں ایک ایسا دروازہ ہوگا جس کی اندرونی جانب تو رحمت ہوگی، اور بیرونی جانب عذاب اوراذیت ہوگی۔ تو اس وقت منافق لوگ مومنوں سے کہیں گے کہ کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں، تھے تو ضرور، لیکن تم نے خود اپنے تئیں بلا میں ڈالا اور ہمارے حق میں حوادث کے منتظر رہے اسلام میں شک کیا اور تمہاری آرزوؤں نے تم کو دھوکا دیا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا اور اللہ کے بارے میں تم کو شیطان دغا باز دغا دیتا رہا۔ تو آج نہ تو تم سے فدیہ لیا جائے گا اور نہ ہی (وہ) کافروں سے فدیہ قبول کیا جائے گا تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے (کہ) تم اِسی کے لائق ہو اور یہ بہت بُری جگہ ہے۔

ابنِ کثیر کے مطابق پل صراط کا راستہ طے کرتے وقت مومنین اور منافقین دونوں کو روشنی دی جائے گی لیکن منافقین کے سامنے سے روشنی کچھ ہی دیر بعد ہٹالی جائے گی۔ یہ اُن کے لئے سزا ہوگی اُس مذاق کی جو یہ لوگ دنیا میں مومنین اور متقی لوگوں سے کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: سورۃ البقرۃ: ۱۵

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾

(ترجمہ) ان (منافقوں) سے اللہ ہنسی کرتا ہے اور ان کو ان کی سرکشی میں بڑھاتا ہے، وہ اندھے ہو رہے ہیں۔

غور کیجئے کہ منافقین کو شروع میں تھوڑی سی روشنی صرف اس لئے عطا کی جائے گی کہ انہوں نے محض دکھاوے کی غرض سے تھوڑی بہت نیکیاں ضرور کی تھیں۔

لہٰذا ان واقعات کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ قیامت میں مومنین کے لئے مستقل انعام واکرام ہوں گے جبکہ منافقین کے ساتھ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوگا۔

اس سلسلہ میں ابنِ کثیر نے ایک بہت طویل حدیث نقل فرمائی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ہر مومن کو اس کی نیکی کے عوض ایک نور عطا کیا جائے گا۔ کسی کو پہاڑ کے برابر نور عطا ہوگا کسی کو کھجور کے درخت کے برابر تو کسی کو اس کے اپنے قد کے برابر نور عطا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے۔ سورۃ الحدید: ۱۷

اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ قَدۡ بَیَّنَّا لَكُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۷﴾

(ترجمہ) جان رکھو کہ اللہ ہی زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے ہم نے اپنی نشانیاں تم سے کھول کھول کے بیان کر دی ہیں تا کہ تم سمجھو۔

یہاں اللہ تعالیٰ ہمیں یاد دہانی کرا رہا ہے کہ جس طرح وہ مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کر سکتا ہے، اسی طرح وہ منافقین کے مردہ دلوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے۔ اگر وہ سچے دل سے اپنے گناہوں سے توبہ کر کے راہ راست پر آ جائیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نیکی کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں نفاق سے بچائے اور ہمیں صحیح معنوں سچا اور پکا مسلمان بنائے تا کہ ہم سب کو بھی بروز قیامت اللہ تعالیٰ وہ نور عطا فرمائے جس کی روشنی میں ہم جنت الفردوس میں داخل ہوسکیں۔ (آمین ثم آمین)

# عالمِ برزخ

برزخ ہماری دنیاوی موت اور ہمارے دوبارہ زندہ اٹھائے جانے کے وقت کا درمیانی عرصہ ہے۔ ہمیں برزخ کے بارے میں کچھ علم نہیں کیوں کہ یہ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے۔ ہاں ہم اس کا قرآن حکیم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سے ایک محدود اندازہ ضرور لگا سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ سورۃ انعام میں فرماتا ہے۔ سورۃ الانعام: ۹۳

وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

(ترجمہ) اور کاش تم ان ظالم (یعنی مشرک) لوگوں کو اس وقت دیکھو جب موت کی سختیوں میں (مبتلا) ہوں اور فرشتے (ان کی طرف عذاب کے لئے) ہاتھ بڑھا رہے ہوں کہ نکالو اپنی جانیں۔ آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی اس لئے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولا کرتے تھے اور اس کی آیتوں سے سرکشی کرتے تھے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ کفار اور منافقین کو ان کی موت کے وقت ہی انتہائی سخت سزائیں دی جائیں گی۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے۔ سورۃ الانفال: ۵۰-۵۱

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓىٕكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ۚ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۙ ﴿۵۱﴾

(ترجمہ) اور کاش تم اس وقت (کی کیفیت) دیکھو جب فرشتے کافروں کی جانیں نکالتے ہیں ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے وغیرہ) مارتے (ہیں اور کہتے

ہیں) کہ (اب) عذاب آتش کا (مزہ چکھو)۔ یہ ان اعمال کی سزا ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں۔ اور یہ (جان رکھو) کہ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

قرآنِ کریم کی ان دو آیات سے واضح ہوتا ہے کہ ہم برزخ کے حالات کا مشاہدہ نہیں کر سکتے، یہاں تک کہ جنگ بدر کے موقع پر جب فرشتے کفار اور مشرکین کو سزا دے رہے تھے تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کا مشاہدہ نہیں کر سکے تھے۔ اِن اَن دیکھے بعض واقعات کو اللہ نے ہماری ہدایت کے لئے بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ قوم فرعون کے غرق ہونے کا واقعہ یوں بیان فرماتا ہے۔ سورۃ نوح: ۲۵

مِمَّا خَطِيٓـَٔـٰتِهِمۡ أُغۡرِقُواْ فَأُدۡخِلُواْ نَارٗا فَلَمۡ يَجِدُواْ لَهُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ أَنصَارٗا ﴿٢٥﴾

(ترجمہ) وہ (آل فرعون) اپنے گناہوں کے سبب غرق کر دیئے گئے پھر آگ میں ڈال دیئے گئے۔ تو انہوں نے اللہ کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہ پایا۔

یہاں یہ بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ قوم فرعون جیسے ہی دریائے نیل میں غرق ہو کر موت کے گھاٹ اتری، اسے فوراً آگ میں جھونک دیا گیا۔ یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ پانی میں ڈوب کر ہلاک ہوتے ہی آگ میں جلائے جانے کا عذاب شروع ہو گیا۔ امام رازیؒ مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ ''فا'' واضح اشارہ ہے اس بات کی طرف کے قومِ فرعون کو پانی میں غرق ہو کر فنا ہوتے ہی فوراً ان پر آگ کا عذاب نازل کر دیا گیا تھا۔ یہ عذاب قیامت کے دن کے عذاب کے علاوہ ہے۔

قیامت کے دن جو سزا قومِ فرعون کو ملے گی وہ اِس سزا کے علاوہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورۃ مؤمن: ۴۵۔۴۶

فَوَقَىٰهُ ٱللَّهُ سَيِّـَٔاتِ مَا مَكَرُواْۖ وَحَاقَ بِـَٔالِ فِرۡعَوۡنَ سُوٓءُ ٱلۡعَذَابِ ﴿٤٥﴾ ٱلنَّارُ يُعۡرَضُونَ عَلَيۡهَا غُدُوّٗا وَعَشِيّٗاۚ وَيَوۡمَ تَقُومُ ٱلسَّاعَةُ أَدۡخِلُوٓاْ ءَالَ فِرۡعَوۡنَ أَشَدَّ ٱلۡعَذَابِ ﴿٤٦﴾

(ترجمہ) غرض اللہ نے موسیٰ کو ان لوگوں کی تدبیروں کی برائیوں سے محفوظ رکھا اور

فرعون والوں کو برے عذاب نے آگھیرا۔ (یعنی) آتش (جہنم) کہ صبح وشام اس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جس روز قیامت برپا ہوگی (حکم ہوگا کہ) فرعون والوں کو نہایت سخت عذاب میں داخل کرو۔

اس آیت سے ایک بار پھر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کافروں کے لئے عذاب قبر اُس عذاب اور سزا کے علاوہ ہے جو ان کو قیامت کے دن دی جائیگی۔

عبداللہ ابن مسعودؓ وضاحت فرماتے ہیں کہ قومِ فرعون کی روحوں کو ہر روز صبح وشام کالے پرندوں کی شکل میں لاکر جہنم دکھائی جاتی ہے کہ یہی تمہارا آخری اور مستقل ٹھکانا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے۔ سورۃ التکاثر: ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾

(ترجمہ) (لوگو) تم کو (مال کی) بہت سی طلب نے غافل کر دیا، یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں، دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائیگا، پھر دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔

اس آیت میں ایک جملے کو دو بار دہرایا گیا ہے، ''اور تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا''۔

حضرت علیؓ نے فرمایا اس آیت کا پہلا حصہ عذاب قبر کے متعلق ہے اور دوسرا حصہ روز قیامت میں دئے جانے والے عذاب کے بارے میں ہے۔

اللہ تعالیٰ سوۃ طہٰ آیت نمبر ۱۲۴ میں فرماتا ہے کہ

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾

(ترجمہ) اور جس نے میرے ذکر (نصیحت) سے منہ موڑا تو بے شک اس کی زندگی دشوار ہوگی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

ابن مسعودؓ اور ابوسعید خدریؓ کے نزدیک کافر کی زندگی دشوار بنانے کا مطلب عذابِ قبر کی طرف اشارہ ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ اس آیت کے بارے

میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر کی قبر میں ۹۹ سانپ بھیجے گا جو قیامت کے دن تک کافر کا گوشت نوچتے رہیں گے۔

موت کے بعد کسی شخص کی روح کی کیا حالت ہوتی ہے ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب کسی مومن کی روح اس کے جسم سے جدا ہوتی ہے تو دو فرشتے اسے لے کر آسمان کی طرف لے جاتے ہیں فرشتے کہتے ہیں کہ ایک نیک اور صالح روح دنیا سے آئی ہے۔ فرشتے اس نیک روح سے کہیں گے۔ ''اللہ تعالیٰ تم پر اور تمہارے اس جسم پر رحم وکرم فرمائے جس میں تم رہا کرتے تھے''۔ پھر فرشتے اس روح کو اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش کریں گے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اس روح کو قیامت تک کے لئے علّیین میں رکھ دو۔

جب ایک منکر اور کافر کی روح اُس کے جسم سے نکلے گی تو فرشتے کہیں گے کہ دنیا سے ایک بد روح آئی ہے۔ اُس روح سے بدبو آئے گی اور فرشتے اس پر لعنت بھیجیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ اس گندی روح کو سجّین میں رکھ دو سجّین وہ مقام ہے جہاں پر منکرین، کافرین اور منافقین کی گندی ارواح کو رکھا جائے گا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کافر روح کی بدبو سے بچنے کے اظہار کے لئے اپنی چادر کا کونہ اپنی ناک پر رکھ لیا۔'' (مسلم)

اسی طرح کئی اور احادیث مبارکہ ہیں جن سے عذاب قبر کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کسی مرنے والے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور جس وقت اُس کے رشتے دار اور عزیز واقارب چلے جاتے ہیں تو قبر کا مردہ جانے والوں کے قدموں کی آہٹ سنتا ہے۔ دو فرشتے قبر میں مردے کے پاس آتے ہیں۔ دونوں فرشتے اس مردہ کو اٹھا کر بٹھا دیتے ہیں پھر فرشتے مردے سے سوال کرتے ہیں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کیا جانتے ہو اگر مردہ مومن ہے تو فوراً کہے گا میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ فرشتے اس مردے سے کہیں گے: ''اگر تو اس سچائی کا اظہار نہ کرتا تو تیری جگہ جہنم ہوتی، اب تیرے لئے جنت ہے۔'' یہ کہہ کر فرشتے مومن مردے کو جنت کا نظارہ کرائیں گے۔ اسی طرح فرشتے کافروں، منکروں اور

منافقوں سے یہی سوال کریں گے کہ تم حضرت محمد ﷺ کے بارے میں کیا جانتے ہو؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ ہم تو بس وہی کہتے تھے جو دوسرے کافر اور منافق کہتے تھے۔ فرشتے یہ کہہ کر کافروں کو لوہے کی سلگتی ہوئی سرخ سلاخوں سے ماریں گے۔ ان کافروں کی چیخیں جنات اور انسانوں کے سوا دنیا کی ہر چیز صاف صاف سنے گی۔ (بخاری و مسلم)

اسماء بنت ابوبکرؓ فرماتی ہیں ایک دن اللہ کے رسول ﷺ لوگوں کو عذابِ قبر کا حال بتا رہے تھے، جسے سن کر سب لوگ بے تحاشہ رونے لگے۔ (بخاری)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ دعا اس طرح مانگتے جیسے کہ یہ قرآن حکیم کے الفاظ ہوں۔ ''یا اللہ میں تیری پناہ اور مدد چاہتا ہوں قبر اور جہنم کے عذاب سے حیات اور موت کے درمیان ہر طرح کے امتحان سے، اور فتنۂ دجال سے! (مسلم)

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سورۃ الملک کی پابندی کے ساتھ تلاوت کرنے والے کو قبر کے عذاب سے محفوظ رکھے گا''۔ (ترمذی)

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے ہر شخص کو عذاب قبر اور عذابِ جہنم سے بچائے۔ اور دجّال کے فتنہ سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔ (آمین ثم آمین یا رب العالمین)

## صف بندی

حرمین شریفین میں یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ با جماعت نماز میں کبھی کبھار ہمارا کوئی بھائی ایک صف میں اکیلا کھڑا ہو جاتا ہے۔ ایک صف میں اکیلے کھڑا ہونا صحیح نہیں۔ اسے چاہئے کہ اگلی یا پچھلی کسی صف میں شامل ہو جائے یا اپنے سے اگلی صف کے کسی شخص کو کھینچ کر اپنی قطار میں لے آیئے۔

# اسلام میں مردوں اور عورتوں کی ذمہ داریاں

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔سورۃ النساء: ۳۲

وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۳۲﴾

(ترجمہ) اور جس چیز میں اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اُس کی ہوس مت کرو۔ مردوں کو اُن کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کئے اور عورتوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کئے۔ اور اللہ سے اس کا فضل (وکرم) مانگتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

اسلام میں مردوں اور عورتوں کی ذمہ داریوں کو سمجھنے کے لئے ہمیں اس آیت کی گہرائی میں جانا ہوگا۔ اس آیت کا شانِ نزول بھی بہت دلچسپ ہے۔

ایک بار حضرت ام سلمیٰؓ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ جس طرح عورتوں کو مردوں کے مقابلہ میں میراث آدھی ملتی ہے کیا اسی طرح نیک اعمال کی جزاء بھی عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں آدھی ملے گی؟ ان کی نیت ہرگز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کرنے کی نہیں تھی۔ بلکہ وہ یہ سوال پوچھ کر اپنے علم میں اضافہ کرنا چاہتی تھیں۔ اسی طرح کچھ اور عورتوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ کاش وہ بھی مرد ہوتیں تو جنگ میں حصہ لے کر اللہ کی خوشنودی سے اور زیادہ فیض یاب ہوتیں۔

ان تمام سوالوں کے جواب اس آیت کریمہ میں دیدئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ام سلمیٰؓ اور تمام دوسری عورتوں اور مردوں سے یہ صاف صاف فرما دیا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش اور خواہش نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی حکمت کے ساتھ بعض

لوگوں کو بعض لوگوں پر بعض لحاظ سے فوقیت عطا فرمائی ہے۔ آیئے ہم اس بات کو ذرا تفصیل سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو پست قد بنایا ہے تو کسی کو دراز قد، کسی کو معمولی شکل وصورت کا بنایا ہے تو کسی کو بہت خوبصورت پیدا فرمایا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اور زیادہ حسین اور خوبرو بنا دیتا، تو وہ اپنی خوبصورتی اور دلکشی کی وجہ سے غلط راستے پر پڑ جاتا اور گناہوں کا مرتکب ہوتا، اللہ تعالیٰ نے اسے بہت ہی زیادہ حسین نہ بنا کر گناہوں سے بچا لیا۔ اسی طرح کچھ لوگ حیثیت کے حساب سے غریب ہیں اور کسی کا رتبہ دنیاوی اعتبار سے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم تھا کہ اگر وہ ان کو امیر کبیر یا زیادہ باحیثیت بنا دیتا تو یہ لوگ اپنی امارت اور مرتبہ کے ساتھ انصاف نہ کر سکتے۔ اسی طرح اللہ تعالی مسجد کے لئے پورے شہر میں ایک خاص خطۂ زمین کا انتخاب فرماتا ہے اور یہ مخصوص خطۂ زمین شہر بھر کی تمام عمارتوں سے افضل واعلیٰ بن جایا کرتی ہے اسی لئے ہم تعظیماً مسجد میں داخل ہوتے ہی تحیۃ المسجد کی دو رکعت نفل نماز ادا کرتے ہیں۔ جو اس بات کا خاموش اعلان ہے کہ یہ مخصوص عمارت شہر بھر کی تمام عمارتوں سے ممتاز ہے۔

ہم اکثر خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس گھر کے لئے ریگستان کے ویرانے میں ہی ایک مخصوص جگہ کیوں پسند فرمائی؟ جو دنیا کی تمام عبادت گاہوں اور مساجد میں سب سے زیادہ معزز ومکرم ہے۔ اس راز کو اللہ ہی جانتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اپنی مرضی اور حکمت سے ایک چیز کو دوسری چیز پر سبقت یا فوقیت عطا فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہ السلام کو بھی بعض لحاظ سے ایک دوسرے پر برتری اور بڑائی عطا فرمائی ہے۔ البقرہ: ۲۵۳

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ

(ترجمہ) یہ پیغمبر (جو ہم وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے ہیں) ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

اس تفصیل کے ساتھ ہم پر یہ بات بالکل واضح ہو جانی چاہیئے کہ اللہ نے ہمیں جو کچھ اور جتنا کچھ بھی عطا فرمایا ہے ہمیں اس پر قانع رہنا چاہیئے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ بہت زیادہ امیر وکبیر ہیں، کسی اور کے پاس علم بہت زیادہ ہے

اور کوئی ہے جو روحانیت میں بہت بڑھا ہوا ہے۔ اسلام ہمیں مندرجہ بالا تینوں چیزوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی اجازت دیتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم کامیابی و کامرانی حاصل کرنے کے لئے اللہ سے دُعا کریں۔ اگر اس میں ہمارے لئے بھلائی کا کوئی پہلو ہوگا تو اللہ تعالیٰ ہماری دُعا قبول فرما کر ہماری مرادیں ضرور پوری کرے گا۔ کیونکہ وہی سب کچھ جانتا ہے۔ اور خوب حکمت والا ہے۔ پس اللہ کا حکم ہے کہ مانگنا ہو تو اسی سے مانگیں۔ اگر لوگ یہ نکتہ سمجھ جائیں تو چوری چکاری، قتل و غارت وغیرہ ختم ہو جائے اور سوسائٹی میں امن قائم ہو جائے گا۔

پس اگر ایک عورت کو مرد کے کرنے کا کام دے دیا جائے تو وہ عورت اسے بخوبی ادا نہیں کرسکتی۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ام سلمیٰؓ اور دوسری عورتوں پر یہ بات واضح کردی کہ مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کو آدھا انعام یا آدھی جزا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ مردوں اور عورتوں کو ان کے نیک اعمال کی جزا یکساں عطا کی جائے گی۔ مزید تفصیل کے لیے سورۃ المومن: ۴۰ ملاحظہ فرمائیے۔

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾

(ترجمہ) اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان بھی ہوگا تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے وہاں ان کو بے شمار رزق ملے گا۔

ایک بار حضرت امّ عمارہ انصاریہؓ اور حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے بقول ترمذی کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا وجہ ہے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ زیادہ تر مردوں سے ہی بلاواسطہ خطاب فرماتا ہے۔ ہم اس بات سے فکرمند ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم عورتوں کے لئے بھی کوئی وعدہ فرمایا ہے یا نہیں؟

جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سورۃ الاحزاب: ۳۵

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ

وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

(ترجمہ) جو لوگ اللہ کے آگے سر اطاعت خم کرنے والے ہیں (یعنی) مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنیوالے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں۔ کچھ شک نہیں کہ ان کے لئے اللہ نے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

لہٰذا اسلام میں مردوں اور عورتوں کے حقوق اور جزا برابر برابر ہیں۔

آیئے اب ہم دیکھیں کہ اسلام میں مردوں اور عورت کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟

سورۃ النساء: ۳۴

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ

(ترجمہ) مرد عورتوں کے انچارج ہیں اس لئے کہ اللہ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لئے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مرد عورتوں پر ظلم و جبر کرنے لگیں جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔ سورۃ النساء: ۱۹

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ

(ترجمہ) اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔

کیونکہ مردوں اور عورتوں کے حقوق برابر ہیں۔ سورۃ البقرۃ: ۲۲۸

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ص

(ترجمہ) اورعورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے۔

بلکہ مردوں اورعورتوں کو گھریلو امور میں مشورہ کرنا چاہئے۔ سورۃ البقرۃ: ۲۳۳

عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ

(ترجمہ) دونوں (یعنی ماں باپ) آپس کی رضا مندی اورمشورہ سے طے کرلیں۔

پس اسلامی معاشرے میں میاں بیوی کو ہر مسئلہ میں ایک دوسرے سے حسن اخلاق سے مشورہ کرنا چاہئے۔ بالآخر حتمی فیصلہ مرد کو ہی کرنا ہوگا۔ کیونکہ وہ انچارج ہے۔لیکن اگر کوئی فیصلہ غلط ہوگیا تو اس کی پوری ذمہ داری دنیا وآخرت میں صرف مرد پر عائد ہوگی۔ پس عورتوں کوکسی بھی حالت میں مرد بننے کی خواہش نہیں کرنا چاہئے اور نہ مردوں کوعورتیں، اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حکم کے مطابق مردوں کے فرائض مرد، اورعورتوں کے فرائض عورتیں ہی زیادہ بہتر طریقہ سے ادا کرسکتے ہیں۔

آیئے ہم دیکھیں کہ اسلام میں عورتوں کومردوں کے مقابلہ میں میراث میں آدھے حقوق دینے میں کیا مصلحت پوشیدہ ہے۔ وراثت میں والدین یا اپنے شوہر کی طرف سے جو کچھ بھی حصہ عورت کو ملتا ہے، اس پر صرف اورصرف عورت کا ہی حق ہوتا ہے،عورت جب تک بیٹی کی حیثیت سے ماں باپ کے گھر میں ہے۔تو والدین اس کی ہر طرح کفالت کرتے ہیں۔ شادی کے بعد اس کا شوہر اس کی حفاظت اور پوری پوری کفالت کرتا ہے۔ کیونکہ یہ شوہر کا فرض ہے، بیوہ ہونے کی صورت میں (چاہے عورت کی اولاد ہو یا نہ ہو) اگرضرورت ہوتوعورت اپنے ماں باپ کے گھر واپس جاسکتی ہے،عورت کی پوری زندگی میں مرد کسی نہ کسی صورت میں اس کا مددگار اور حامی رہتا ہے، جب وراثت میں مرد کوعورت سے زیادہ حصہ ملتا ہےتو مرد کا اس پر پورا حق نہیں ہوتا، بلکہ مرد کوعورت پر ہر معاملہ میں خرچ کرنا پڑتا ہے، اپنی اولاد اور خاندان کے دوسرے افراد کا خرچ بھی مرد کو اُٹھانا ہوتا ہے۔ پس عورتیں مردوں سے زیادہ فائدے میں رہتی

ہیں، کیونکہ انہیں اپنے آدھے حصہ کو کسی وقت کسی پر خرچ نہیں کرنا پڑتا گو وہ اپنی مرضی سے دوسروں پر خرچ کریں تو اس میں مضائقہ نہیں۔

اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں عربوں میں عورتوں کا کیا حال تھا۔ اکثر اوقات لڑکی پیدا ہوتے ہی زمین میں زندہ دفن کر دی جاتی تھی۔ بعض حالات میں محض تفریح کی خاطر عورت کے بال اونٹ کی دم سے باندھ کر اونٹ کو دوڑایا جاتا تھا، یہ مردوں کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ املاک وجائیداد پر عورتوں کا کوئی حق نہیں تھا۔ اسلام نے نہ صرف عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دلائے بلکہ انہیں وراثت میں حصہ دار بنایا۔ اور املاک اور جائیداد رکھنے کی بھی اجازت اور سہولت فراہم کی۔

آیئے اب دیکھیں کہ اسلام میں عورت کی کیا ذمہ داریاں ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ سورۃ النساء: ۳۴

(ترجمہ) تو جو نیک بیبیاں ہیں وہ مردوں کے حکم پر چلتی ہیں اور ان کے پیٹھ پیچھے (عدم موجودگی میں) اللہ کی حفاظت میں (مال وآبرو کی) حفاظت کرنے والی ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، کہ سب سے اچھی بیوی وہ ہے، جسے دیکھتے ہی شوہر کا دل خوشی سے لبریز ہو جائے، جب شوہر اسے کوئی حکم دے، تو وہ اسے فوراً پورا کرے اور شوہر کی غیر موجودگی میں اپنی اور اپنے مال واسباب کی پوری پوری حفاظت ونگہداشت کرے۔

پس عورتوں کو چاہئے کہ وہ اللہ کے بتائے ہوئے قانون کے تحت شوہر کے مال ودولت کی حفاظت کریں۔ مرد کا سب سے قیمتی اثاثہ اس کی اولاد ہے۔ پس بیویوں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اسلامی طریقہ سے پروان چڑھائیں، یہ ذمہ داریاں یقیناً بہت دشوار ہیں، اللہ تعالیٰ اس آیت میں عورتوں سے وعدہ فرماتا ہے کہ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے میں وہ ان کی مدد فرمائے گا۔ اگر ایک بیوی اپنے خاوند سے سرکشی کرنے لگے تو اس کی اصلاح کا طریقہ یہ ہے۔ سورۃ النساء: ۳۴

وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ

اَطَعۡنَکُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَیۡہِنَّ سَبِیۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیۡرًا ﴿۳۴﴾

(ترجمہ) اور جن عورتوں کی نسبت تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی (اور بدخوئی) کرنے لگی ہیں تو (پہلے) اُن کو (زبانی) سمجھاؤ (اگر نہ سمجھیں تو) پھر اُن کے ساتھ سونا ترک کردو، اگر اس پر بھی باز نہ آئیں تو زدوکوب کرو اور اگر فرمانبردار ہو جائیں تو پھر اُن کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ مت ڈھونڈو، بیشک اللہ سب سے اعلیٰ اور جلیل القدر ہے۔

پس اصلاح کے کئی مراحل ہیں۔ سب سے پہلے علماء اور نفسیاتی ماہرین سے مدد حاصل کرنی چاہئے۔ بدقسمتی سے پوری دنیا کے مسلمان زیادہ تر اپنے ذاتی معاملات کو پردوں میں چھپائے رکھتے ہیں، جس سے ان کو نقصان ہوتا ہے۔ رہی بات بیوی کو اپنے بستر سے الگ کرنے کی، تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بیوی کو گھر سے نکال دیا جائے، بیوی کو بھی چاہئے کہ وہ اس طرح کے تنازعہ کی صورت میں شوہر کا گھر چھوڑ کر اپنے رشتے داروں کے گھر جا کر نہ رہنے لگے، چند علماء کرام کے مطابق دونوں شوہر اور بیوی کو الگ الگ کمروں میں بھی نہیں سونا چاہئے، بلکہ ایک ہی بستر پر رات بسر کرتے ہوئے ایک دوسرے سے بالکل الگ رہنا چاہئے، جو ایک بہت مشکل کام ہے، یہ صورت حال دونوں شوہر اور بیوی کو قریب آکر اپنے اختلافات بھلا کر پھر ایک ہونے میں مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔ پھر یہ کہ عورت کو راہِ راست پر لانے کے لئے مارنے کا جو حکم ہے تو وہ اس طرح نہیں ہے کہ شوہر بیوی کو زخمی کر دے۔ بلکہ اس طرح مارے کہ عورت کے جسم کے کسی بھی حصہ سے ذرا بھر چوٹ ظاہر نہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: اچھے اور شریف آدمی اپنی بیوی پر ہاتھ نہیں اٹھاتے، ہم دیکھتے ہیں، کہ حضرت لوط علیہ السلام نے کبھی بھی اپنی بیوی پر ہاتھ نہیں اُٹھایا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے اچھا سلوک کریں گے وہ جنت میں مجھ سے زیادہ قریب ہوں گے۔

سورۃ النساء کی آیت نمبر ۳۴ میں الہ تعالیٰ کا یہ حکم بھی ہے کہ اگر تمہاری بیویاں راہ راست پر آجائیں، تو انہیں گزرے ہوئے واقعات یاد دلا کر شرمندہ نہ کرو، اور یاد رکھو کہ اللہ

بہت عظیم اور طاقتور ہے، اسی اللہ نے مردوں کو عورت کا حاکم بنایا ہے۔ سورۃ النساء ۳۵

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

(ترجمہ) اور اگر تم کو معلوم ہو کہ میاں بیوی میں اَن بَن ہے تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو، اگر وہ دونوں صلح کرا دینی چاہیں گے تو اللہ اُن میں موافقت پیدا کر دے گا، کچھ شک نہیں کہ اللہ سب کچھ جانتا اور سب باتوں سے خبردار ہے۔

اگر میاں بیوی کا باہمی اختلاف کسی طرح دُور نہ ہوتا ہو، تو انہیں چاہئے کہ درمیان میں ثالث مقرر کرلیں، اگر دونوں (یہاں ''دونوں'' سے مراد دونوں میاں بیوی اور دونوں ثالث) سچے دل اور صاف نیت سے مصالحت کے خواہش مند ہوں تو اللہ تعالیٰ وعدہ فرما رہے ہیں کہ وہ ان میں موافقت پیدا کردیں گے۔

بعض صحابہ کرامؓ کا خیال تھا کہ اسلام نے عورتوں کو ضرورت سے زیادہ ہی حقوق دیدئے ہیں، تاکہ ان کی معاشرے میں عزت افزائی ہو۔ بعد ازاں ان کے بعض حقوق سلب کرلئے جائیں گے۔ اس لئے یہ لوگ اس بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بار بار سوالات کیا کرتے تھے۔ سورۃ النساء: ۱۲۷

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۗ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۗ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

(ترجمہ) (اے پیغمبر) لوگ تم سے (یتیم) عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں، کہہ دو کہ اللہ تم کو اُن کے (ساتھ نکاح کرنے کے) معاملے میں حکم (اجازت) دیتا ہے اور جو تمہیں قرآن مجید میں سنایا جاتا ہے وہ ان یتیم عورتوں کے بارے میں ہے جن کو تم ان

کا حق تو دیتے نہیں اور خواہش رکھتے ہو کہ ان کے ساتھ نکاح کرلو اور (نیز) بیچارے بیکس بچوں کے بارے میں، اور یہ (بھی حکم دیتا ہے) کہ یتیموں کے بارے میں انصاف پر قائم رہو، اور جو بھلائی تم کرو گے اللہ اُس کو جانتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا کہ عورتوں کے برابر کے حقوق اور معاشرے میں اعلیٰ مقام ہمیشہ ہمیشہ قائم رہیں گے!

میں دعا گو ہوں، کہ ہم اسلامی معاشرے میں عورتوں کے تمام حقوق کا پُورا پُورا خیال رکھیں۔ (آمین)

**ائمہ کرام مسجد الحرام۔ مکہ مکرمہ (۲۰۱۰ء)**

۱۔ الشیخ/محمد بن عبداللہ السبیل۔ چیئرمین امور حرمین شریف۔
۲۔ الشیخ/ صالح بن حید ر رئیس مجلس شوری۔
۳۔ الشیخ/ صالح بن آل طالب۔ جج ہائی کورٹ۔ مکہ مکرمہ۔
۴۔ الشیخ ڈاکٹر/سعود بن ابراہیم الشریم (جج ہائی کورٹ۔ مکہ مکرمہ۔ ریٹائرڈ)۔
۵۔ الشیخ ڈاکٹر/ عبدالرحمن بن عبدالعزیز السدیس۔ پروفیسر جامعہ اُم القریٰ۔ مکہ مکرمہ۔
۶۔ الشیخ ڈاکٹر/ اسامہ بن عبداللہ خیاط۔ پروفیسر جامعہ اُم القریٰ۔ مکہ مکرمہ۔
۷۔ الشیخ ڈاکٹر/ ماہر المعیقل۔ پروفیسر جامعہ اُم القریٰ۔ مکہ مکرمہ۔
۸۔ الشیخ ڈاکٹر/ عواد بن عبداللہ الجہنی۔ پروفیسر جامعہ اُم القریٰ۔ مکہ مکرمہ۔
۹۔ الشیخ ڈاکٹر/ فیصل الغزاوی۔ پروفیسر جامعہ اُم القریٰ۔ مکہ مکرمہ۔
۱۰۔ الشیخ ڈاکٹر۔ خالد الغامدی۔ پروفیسر جامع اُم القریٰ۔ مکہ مکرمہ۔

# مدینہ منورہ کا اسلامی معاشرہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات طیبہ کے دوران مدینہ منورہ میں رہنے والے مسلمانوں کو ہم دو گروپوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

۱۔ ہجرت کرکے آئے ہوئے مہاجرین اور

۲۔ مدینہ منورہ کے مقامی باشندے انصار۔

مہاجرین کی خصوصیات اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحشر کی آیت نمبر ۷ میں بیان فرمائی ہیں:

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۸

(ترجمہ) (اور) مال غنیمت میں حصہ ہے اُن فقراء تارک الوطن کے لئے بھی جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج (اور جُدا) کر دیئے گئے ہیں (اور) اللہ کے فضل اور اُس کی خوشنودی کے طلبگار، اور اللہ اور اُس کے پیغمبر کے مددگار ہیں یہی لوگ سچے (ایماندار) ہیں۔

ان مہاجرین کو مکہ مکرمہ میں دن رات اذیت دی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ میں رہنا ان لوگوں کے لئے ناممکن ہوگیا۔ لہٰذا ان لوگوں کو مجبور ہو کر ہجرت کرکے مدینہ منورہ جانا پڑا۔ کفار مکہ نے ان مہاجرین کی تمام املاک پر قبضہ کرلیا، یہ مہاجرین بالکل خالی ہاتھ مدینہ منورہ پہنچے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم ان مہاجرین کو ''فقیر'' (انتہا درجہ کے غریب) کے نام سے یاد کرتا ہے۔ اکثر کے پاس کھانے کو کچھ بھی نہیں ہوتا تھا، تو بھوک کی شدت کم کرنے کے لئے یہ لوگ پیٹ پر پتھر باندھ لیتے، کچھ غریب لوگ خود کو سردی کی شدت سے بچانے کے لئے زمین میں گڑھے کھود کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ محض ایک آدھ کپڑا زیب تن تھا۔ (قرطبی)

ان مہاجرین کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ ان لوگوں نے ترکِ وطن اختیار کیا۔ یقیناً دُنیاوی مال ومتاع کے لئے نہیں، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی، اور خوشنودی حاصل کرنے

کے لئے۔

ان مہاجرین کی تیسری خصوصیت یہ تھی کہ ان لوگوں نے محض اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدد کرنے کی نیت سے ہجرت کی تھی۔ یہاں اللہ کی مدد سے مُراد تبلیغ دین اسلام ہے۔

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ ان مہاجرین نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جو زبانی، اور عملی وعدے کئے تھے ان پر سو فیصدی پورے اترے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں ان مہاجرین کے سچے ہونے کا اعلان فرما رہا ہے۔ لہٰذا ان مہاجرین کے بارے میں کوئی نازیبا اور ناشائستہ بات کہنا اللہ کے اس فرمان کی خلاف ورزی ہوگی۔ (بغوی)

اللہ تعالیٰ انصار کی خصوصیات بیان فرماتا ہے۔ سورہ الحشر: ۹

وَ الَّذِیۡنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الۡاِیۡمَانَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ یُحِبُّوۡنَ مَنۡ هَاجَرَ اِلَیۡهِمۡ وَ لَا یَجِدُوۡنَ فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوۡتُوۡا وَ یُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰۤی اَنۡفُسِهِمۡ وَ لَوۡ كَانَ بِهِمۡ خَصَاصَةٌ ؕ۟ وَ مَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝۹

(ترجمہ) اور (ان لوگوں کے لئے بھی) جو مہاجرین سے پہلے گھر (یعنی مدینہ) میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے (اور) جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں اُن سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ اُن کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور خلش) نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود تنگی (ضرورت) ہی ہو۔ اور جو شخص بخل نفس سے بچالیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانیوالے ہیں۔

یہ بات نہایت دلچسپ ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک مدینہ منورہ سارے عالم رنگ و بُو میں سب سے زیادہ عزت و برکت والا شہر ہے کیونکہ اسے ایمان اور تبلیغ کی برکت سے فتح کیا گیا تھا۔ جبکہ دوسرے تمام شہر زور شمشیر سے فتح کئے گئے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک انصار کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ عالم عدم سے عالم موجودات میں قدم رکھتے ہی پہلی حیات بخش سانس اُن حضرات نے فضاء مدینہ منورہ میں لی تھی اور جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اس کے

صحابہؓ کے لئے جائے پناہ بھی بنی۔

دوسری خصوصیت یہ کہ ان انصار حضرات نے مہاجرین کو کبھی بھی اپنے اوپر بوجھ نہیں سمجھا۔ بلکہ مہاجرین کا کھلے دل سے استقبال کیا۔ یہاں تک کہ انصار نے اپنے گھر املاک، اور کاروبار مہاجرین کے ساتھ آدھا آدھا تقسیم کرلیا، بلکہ جن کی دو بیویاں تھیں ان لوگوں نے اپنی ایک بیوی کو اس لئے طلاق دے دی کہ ان کا ایک مہاجر بھائی اس عورت کو اپنے نکاح میں لے سکے۔ اس پر طرہ یہ کہ انصار اپنے مہاجر بھائی کو اپنی سب بیویاں دکھا دیتا تھا تاکہ اس کا مہاجر بھائی جس کو چاہے پسند کرلے پھر انصار اسے طلاق دیدے۔ تاکہ مہاجر بھائی اس سے نکاح کر سکے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابھی تک حجاب (پردے) کے قرآنی قوانین نافذ نہیں ہوئے تھے۔

انصار کی تیسری خصوصیت یہ تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے جو چیز کسی مہاجر کو عطا کیا کرتے تھے، اُس پر کسی بھی انصار کو قطعی کوئی اعتراض نہیں ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر جب مسلمان قبیلہ بنو نضیر اور بنو قینقاع کی املاک پر قابض ہوئے (یہ قبضہ بغیر خون خرابے کے ہوا تھا) تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثابت بن قیسؓ کو تمام انصار کو مدعو کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تمام انصار سے خطاب کرتے ہوئے ان کے ایثار وقربانی کی بے حد تعریف کی جو انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کے لیے کی تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو تجاویز انصار کے سامنے رکھیں۔ ایک یہ کہ تمام مال غنیمت سب مہاجرین اور انصار میں تقسیم کر دیا جائے، اس صورت میں مہاجرین اپنے انصار بھائیوں کے دیے ہوئے گھروں میں رہ سکتے ہیں، دوسری تجویز یہ تھی کہ مال غنیمت صرف مہاجرین میں تقسیم کر دیا جائے، اس صورت میں وہ انصار کے مکان خالی کر کے ذاتی مکانوں میں قیام کریں گے۔

انصار کے دو سرداروں سعد بن عبادہؓ اور سعد بن معاذؓ نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تمام مال غنیمت صرف مہاجرین میں تقسیم فرما دیں، اور یہ کہ اس کے بعد بھی مہاجرین بہ رضا و رغبت ہمارے گھروں میں رہ سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ سارا مال غنیمت صرف مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دیا گیا۔ انصار میں سے صرف دو حضرات کو کچھ حصہ دیا گیا، کیونکہ یہ دونوں

(حضرت سہیلؓ بن حنیف اور حضرت اُبو دجانہؓ) بہت ہی زیادہ مُفلس تھے۔ (بخاری)

انصارؓ کی چوتھی خصوصیت یہ تھی کہ وہ لوگ تمام ایسی اشیاء جن کی ان کو خود سخت ضرورت ہوا کرتی تھی، وہ اشیاء بھی بہت خوشی سے مہاجرین کے حوالے کر دیا کرتے تھے، یعنی ان کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے تھے۔

مہاجرین اور انصار کے بہت سے واقعات قُرطبیؒ نے رقم کئے ہیں۔ جو کہ ہمارے لئے مشعل راہ ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک بار ایک شخص اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، کہ میں دو دن سے بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلا دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گھر والوں سے کھانے کے بارے میں دریافت کیا، جواب ملا کہ گھر میں سوائے پانی کے، اور کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے دریافت کیا، کہ تم میں سے کون ہے جو اس بھوکے کو کھانا کھلا سکے؟ ایک صحابیؓ اس بھوکے کو اپنے گھر لے گئے، اور بیوی سے کھانا نکالنے کو کہا، بیوی نے کہا کھانا صرف اپنے بچے کے لئے ہی ہے۔ صحابیؓ نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ بچے کو سلا دو، اور کھانا لا کر مہمان کے سامنے رکھ دو۔ بیوی نے ایسا ہی کیا، صحابیؓ نے کھانا مہمان کے سامنے رکھ کر چراغ بجھا دیا، اور مہمان نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ میزبان بھی کھا رہا ہے سارا کھانا پیٹ بھر کر کھا لیا۔ دوسرے دن صبح وہ شخص اس صحابیؓ کے ہمراہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس انصار صحابی کو مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا ''کل رات کو تمہاری مہمان نوازی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آئی''۔ (ترمذی)

عبداللہ بن عمر ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار کسی شخص نے بکری کا گوشت کسی کو تحفہ کے طور پر بھیجا، اس آدمی نے وہ گوشت کسی اور ضرورتمند کو دیدیا، اس نے اپنے سے زیادہ ضرورتمند کو دیدیا اس طرح یہ گوشت سات لوگوں کے درمیان ہوتا ہوا پھر واپس اس پہلے شخص کے پاس آ گیا۔ اس واقعہ کو قشیری نے بیان کیا ہے۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ بروایت انسؓ ثعلبیؒ نے بیان کیا ہے۔

ایک بار ایک محتاج حضرت عائشہؓ کے پاس آیا، اور کھانے کو کچھ مانگا۔ اس وقت گھر میں صرف ایک روٹی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے خادمہ سے کہا کہ وہ روٹی فقیر کو دے دو۔ خادمہ یہ سوچتی ہی رہ گئی، کہ اب شام کو روزہ کس طرح افطار کیا جائے گا۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا، کہ شام کو کسی نے بھنا ہوا گوشت عائشہؓ کو بھیج دیا۔ عائشہؓ اور خادمہ نے اس گوشت سے روزہ افطار فرمایا۔ (امام مالکؒ)

نسائی نے لکھا ہے کہ ایک بار عبداللہ بن عمرؓ بیمار ہوئے اور انگور کھانے کی خواہش ظاہر کی۔ کوئی بازار سے انگور خرید کر لایا، اتنے میں ایک فقیر آ گیا، عبداللہ بن عمرؓ نے وہ انگور اس کو دیدے۔ فقیر انگور لے کر چلا، ایک آدمی نے فوراً جا کر اس سے وہ انگور خریدے، اور لاکر عبداللہ بن عمرؓ کو دیدئے۔ فقیر پھر واپس آیا، عبداللہ بن عمرؓ نے وہ انگور دوبارہ اسے دیدئے۔ وہ فقیر پھر واپس آیا، عبداللہ بن عمرؓ نے تیسری بات بھی انگور اسے دیئے، اس بار ایک اور شخص نے وہ انگور اس فقیر سے خرید کر عبداللہ بن عمرؓ کو دیدئے، اور اس فقیر کو سختی سے منع فرمایا، کہ اب وہ واپس نہ آئے۔ اس طرح آخری بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ سمجھ کر کہ یہ نئے انگور واقعی خرید کر ان کے لئے ہی لائے گئے ہیں، وہ انگور کھا لئے۔

مسند میں ابن مبارکؒ روایت کرتے ہیں، کہ ایک بار حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے دوران حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کو چارسو دینار بطور تحفہ روانہ فرمائے، اور خادم کو ہدایت دی، کہ وہ یہ دیکھے کہ ابوعبیدہؓ وہ رقم کس طرح خرچ کرتے ہیں۔ خادم نے آ کر بتایا کہ انہوں نے پوری کی پوری رقم غریبوں میں تقسیم فرما دی، اسی طرح حضرت عمرؓ نے چارسو دینار حضرت معاذ بن جبلؓ کو بطور تحفہ بھیجے۔ لے جانے والے نے واپس آ کر بتایا کہ وہ ساری رقم انہوں نے بھی محتاجوں میں بانٹ دی۔ جب آخری دو درہم بچے تو معاذؓ کی بیوی نے کہا۔ میں بھی تو غریب ہوں۔ تب معاذؓ نے وہ باقی دو درہم اپنی بیوی کو دیدیئے۔ عمرؓ نے تقسیم کا قصہ سن کر فرمایا، یہ سب بھائی ہیں اور ان کے اعمال بھی ایک جیسے ہیں۔

حضرت حُذیفہ عدویؓ جنگ یرموک کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ

میں میدان جنگ میں اپنے زخمی بھتیجے کو تلاش کررہا تھا، تاکہ اسے تھوڑا سا پانی پلاسکوں۔ جب میں اُس کے پاس آیا، تو وہ قریب المرگ تھا، اُس نے پانی خود نہ پی کر اپنے قریب ہی دوسرے مسلم بھائی کی طرف اشارہ کیا، میں پانی لیکر دوسرے زخمی کے پاس گیا، اُس نے کسی تیسرے کو دینے کی خواہش ظاہر کی، اس طرح میں جب ساتویں زخمی کے پاس آیا تو اس نے بھی خود پینے سے انکار کرتے ہوئے کسی اور پیاسے کو دینے کے لئے کہا۔ یہ سوچ کر میں سیدھا اپنے بھتیجے کے پاس آیا، لیکن تب اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کرچکی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اُمت مسلمہ کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا ہے:

۱۔ مہاجرین ۲۔ انصار اور ۳۔ بقیہ پوری اُمت!

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں مہاجرین اور انصار کی بہت ساری خوبیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ باقی تمام امت کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ہم سب ان تمام صحابہ کرامؓ کا دل سے احترام کریں، اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی پوری پوری کوشش کریں، کیونکہ ایمان کی اصل دولت ہم تک انہیں حضراتؓ کے ذریعہ پہونچی ہے۔ ہمیں نعوذ باللہ صحابہ کرامؓ کے خلاف ذرا بھی بغض وعناد نہیں رکھنا چاہئے۔ بلکہ قرآن حکیم میں سورۃ الحشر کی آیت نمبر ۱۰ کے مطابق ہمیشہ دعا کرتے رہنا چاہئے۔

وَ الَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۠ ﴿۱۰﴾

(ترجمہ) اور (اُن کے لئے بھی) جو اُن (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دُعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

مصعب بن سعیدؓ فرماتے ہیں، کہ ہم سب کا تعلق امت کے اس تیسرے گروہ سے اسی صورت میں ہوگا جب ہم سورۃ حشر کی آیت نمبر ۱۰ کی ہدایت پر کاربند ہوں گے۔ یعنی پہلے دو

گروپوں کے لئے دعا گو ہوں گے اور ان کے بارے میں اپنے دل میں کوئی کینہ نہ رکھیں گے۔

قرطبی اس آیت سے یہ نتیجہ اَخذ کرتے ہیں، کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان تمام صحابہ کرامؓ کا انتہائی ادب واحترام کرنا چاہیئے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں ''ایک مسلمان مالِ غنیمت میں حصہ دار نہیں بن سکتا جب تک کہ اس کے دل ودماغ میں صحابہ کرامؓ کی عقیدت اور محبت نہ ہو''۔ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں، ''اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم صحابہ کرامؓ کے لئے دعا گو رہیں خواہ ان کے آپس میں اختلاف ہوں یا تنازع''۔ پس ہم سب پر صحابہ کرامؓ کا انتہائی ادب واحترام لازم ہے۔

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں، کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت اُس وقت تک تباہ نہ ہوگی جب تک وہ اپنے سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں (میرے صحابہ کرامؓ) کو بُرا بھلا نہ کہے گی۔''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں، کہ جب تم کسی ایسے شخص کو پاؤ، جو صحابہ کرامؓ کو بُرا کہہ رہا ہو، تو کہو: ''تم میں سے اُس پر اللہ کی لعنت ہو، جو دونوں میں زیادہ بُرا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اُس بُرا کہنے والے کو خود ہی سزا دے گا''۔

عوام بن جشّاب فرماتے ہیں۔ ''میں نے ایسے مسلمانوں کو دیکھا ہے، جو صحابہ کرامؓ کی ہمیشہ تعریف کیا کرتے تھے اور اگر ان کی (صحابہ کرامؓ کی) کوئی کمزوری بھی معلوم ہو جاتی تھی، تو وہ لوگ اسے چھپایا کرتے تھے۔ تاکہ اسلام کے کھلے دشمنوں کو انہیں بُرا کہنے کا موقع نہ مل سکے''۔

دُعا فرمایئے، کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی صحابہ کرامؓ کی عقیدت کرنے کا سلیقہ عطا فرمائے اور ہمیں اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

# حیات بعد الموت

کافر بار بار یہ سوال کرتے ہیں کہ انسان کے مرنے اور خاک میں مل کر فنا ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ کس طرح زندہ کر سکتا ہے؟ سورۃ الواقعہ: ۴۷-۴۸

وَ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَىِٕذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾

(ترجمہ) اور کہا کرتے تھے کہ بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے اور ہڈیاں ہڈیاں رہ گئے تو کیا ہمیں پھر اٹھنا ہوگا۔ اور کیا ہمارے باپ دادا کو بھی؟

اس لئے کافر نہ صرف یہ کہ دوبارہ زندہ اٹھائے جانے پر ایمان نہیں رکھتے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ ان کے آباؤاجداد جن کو مر کر مدتیں گزر چکیں وہ کیسے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس واقعہ کو سورۃ القیامۃ میں بڑی خوبصورتی سے بیان فرماتا ہے۔ سورۃ القیامہ: ۳-۴

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴿۳﴾ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰۤى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾

(ترجمہ) کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی (بکھری ہوئی) ہڈیاں اکٹھی نہیں کریں گے، ضرور کریں گے (اور) ہم اس بات پر قادر ہیں کہ اس کو پُور پُور درست کریں۔

ہم یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ساری دنیا کے تمام انسانوں کی انگلیوں کے نشانات ایک دوسرے سے نہیں ملتے اس لئے مختلف انسانوں کی شناخت کے لئے عالمی طور پر انگلیوں کے نشانات سے مدد لی جاتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ پوری دنیا کے تمام انسانوں کی انگلیوں کے نشانات الگ الگ بنا سکتے ہیں تو کیا وہ خاک میں مل کر مٹ جانے والے انسان کو دوبارہ ویسا ہی زندہ نہیں کر سکتا؟ سورۃ القیامہ: ۳۶ تا ۴۰

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ

بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنۡ یُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰی ﴿۴۰﴾

(ترجمہ) کیا انسان خیال کرتا ہے کہ وہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا، کیا وہ منی کا جو رحم میں ڈالی جاتی ہے ایک قطرہ نہ تھا؟ پھر لوتھڑا ہوا، پھر (اللہ نے) اس کو پیدا کیا پھر (اس کے اعضاء کو) درست کیا، پھر اس کی دو قسمیں بنائیں (ایک) مرد اور (ایک) عورت، کیا اس خالق کو اس بات پر قدرت نہیں کہ مُردوں کو جِلا اُٹھائے؟

یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے انسان کو ایک حقیر قطرے سے پیدا فرمایا۔ پھر انہیں الگ الگ یعنی مرد اور عورت بنایا جو ایک دوسرے سے جسمانی، روحانی اور نفسیاتی طور پر بالکل مختلف ہیں۔ لیکن اتنے سارے تضاد کے باوجود ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ یہاں تک کہ مرد اور عورت علیحدہ علیحدہ بے معنی اور بے مقصد نظر آتے ہیں۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ مرد اور عورت کو بے حد مختلف بنا کر بھی ایک کو دوسرے کے لئے انتہائی ضروری بنا سکتا ہے تو کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ انہیں دوبارہ زندہ کر سکے؟ اس بات کو اور زیادہ واضح اور سادہ انداز میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ سورۃ النازعات: ۲۷۔۲۸

ءَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ خَلۡقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمۡكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾

(ترجمہ) بھلا تمہارا بنانا آسان ہے یا آسمان کا؟ اسی نے اس کو بنایا۔ اس کی چھت کو اونچا کیا پھر اس کو برابر کر دیا۔

یہاں اللہ ہم کو بتا رہا ہے کہ بغیر ستونوں کے آسمان بنانا انتہائی دشوار کام ہے۔ اگر ہم آنکھ اٹھا کر آسمان کو دیکھیں اور اس میں کسی قسم کا نقص نکالنے کی کوشش کریں تو ہماری نظریں تھک ہار کر واپس آجائیں گی، اور ہم کوئی نقص تلاش نہیں کر سکیں گے۔ پس اگر اللہ بغیر ستونوں کے ایک شاندار آسمان بنا سکتا ہے تو کیا مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورۃ الروم: ۵۰

فَانۡظُرۡ اِلٰٓی اٰثٰرِ رَحۡمَتِ اللّٰهِ كَيۡفَ يُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۵۰﴾

(ترجمہ) تو (اے دیکھنے والے) اللہ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف دیکھ کہ وہ کس طرح زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے، بیشک وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کرسکتا ہے تو کیا وہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا؟ اس منظر کی مزید وضاحت سورۃ حم سجدہ کی آیت نمبر ۳۹ میں بڑے خوبصورت طریقہ سے کی گئی ہے۔سورۃ حٰم سجدہ: ۳۹

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِيْۤ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

(ترجمہ) اور (اے بندے یہ) اسی کی قدرت کے نمونے ہیں کہ تو زمین کو دبی ہوئی (یعنی خشک) دیکھتا ہے جب ہم اس پر پانی برسادیتے ہیں تو شاداب ہو جاتی ہے اور پھلنے پھولنے لگتی ہے تو جس نے زمین کو زندہ کیا وہی مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے، بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ہم اپنی آنکھوں سے ہر روز اس حقیقت کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ سوکھی، پیاسی اور بنجر زمین پر اللہ تعالیٰ پانی برساتا ہے جس سے مردہ زمین پہلے نرم ہوتی ہے پھر قدرے پھولتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ زمین کے اندر دبے ہوئے ہر بیج کے خول توڑتے ہیں۔ اس سے ننھی منی کونپل نکلتی ہے۔ جو نرم زمین میں شگاف کرکے پودے کی شکل میں نمودار ہوتی ہے اور پھر کس طرح یہ چھوٹے چھوٹے پودے دیکھتے ہی دیکھتے تناور اور مضبوط تنوں اور شاخوں میں تبدیل ہو کر انسانوں کو آرام پہنچانے کے لئے گھنے سائے فراہم کرتے ہیں اور پھولوں اور پھلوں سے بھر جاتے ہیں اور لکڑی جیسی قیمتی اور دیگر ضروری اشیاء فراہم کرتے ہیں۔ یہ معجزہ ہمارے سامنے ازل سے ہوتا آرہا ہے اور ابد تک ہوتا رہے گا۔

ہماری نظر اس معجزے کو بالکل سطحی نظر سے دیکھتی ہے لیکن جس انسان میں ذرا بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہو اس کا دل فوراً گواہی دیگا کہ جو اللہ آسمان سے پانی برسا کر مردہ زمین کو زندہ

کرسکتا ہے وہی اللہ انسان کے مرکرمٹی ہوجانے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کرنے پر ضرور قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی کے لئے دو عجیب وغریب واقعات بیان فرمائے۔ سورۃ البقرۃ: ۲۵۹

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾

(ترجمہ) کیا تو نے اس شخص کو (نہیں دیکھا) جس کا گزر ایک شہر پر ہوا اور وہ اپنے چھتوں پر گر پڑا تھا۔ تو اس نے کہا کہ اللہ اس (کے باشندوں) کو مرنے کے بعد تو کیوں کر زندہ کریگا تو اللہ نے اس کی روح قبض کر لی (اور) سو برس تک (اس کو مردہ رکھا) پھر اس کو زندہ کیا اور پوچھا تم کتنا عرصہ (مرے) رہے ہو اس نے جواب دیا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم، اللہ نے فرمایا (نہیں) بلکہ سو برس (مرے) رہے ہو، اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ اتنی مدت میں مطلق سڑی نہیں اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو (جو مرا پڑا ہے) غرض (ان باتوں سے) یہ ہے کہ ہم تم کو لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کے) نشانی بنائیں، اور (ہاں گدھے کی) ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم ان کو کیوں کر جوڑے دیتے اور ان پر (کس طرح) گوشت پوست چڑھا دیتے ہیں، جب یہ واقعات اس کے مشاہدے میں آئے تو بول اٹھا کہ میں یقین کرتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کے شک کو آنے والی تمام نسلوں کے لئے چراغِ راہ بنا دیا۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہڈیاں بناتا ہے پھر ان ہڈیوں پر گوشت کا غلاف چڑھاتا ہے۔ سائنسدانوں نے یہ بات حال ہی میں دریافت کی ہے جبکہ یہی بات اللہ تعالیٰ نے آج سے چودہ سو سال قبل ہمیں بتا دی تھی۔ افسوس ہے کہ ایسی واضح نشانیوں کے

باوجود ضدی اور ہٹ دھرم لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے دوبارہ پیدا کرنے سے منکر ہیں۔

دوسرا واقعہ اور بھی عجیب وغریب ہے۔سورۃ البقرۃ: ۲۶۰

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾

(ترجمہ) اور جب ابراہیم نے (اللہ سے) کہا کہ اے پروردگار مجھے دکھا کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا، اللہ نے فرمایا کہ تم نے (اس بات کو) باور نہیں کیا، انہوں نے کہا کیوں نہیں، لیکن (میں دیکھنا) اس لئے (چاہتا ہوں) کہ میرا دل اطمینان کامل حاصل کرلے اللہ نے فرمایا کہ چار پرندوں کو پکڑو اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کردو پھر ان کا یک ایک ٹکڑا ہر ایک پہاڑ پر رکھو اور پھر ان کو اپنی طرف بلاؤ تو وہ تمہارے پاس اڑتے چلے آئیں گے اور جان رکھو کہ اللہ غالب اور صاحب حکمت ہے۔

لہٰذا یہ بات ثابت ہوئی کہ یقیناً اللہ تعالیٰ انسان کے مرنے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حیات بعدالموت کے ایمان کو پختہ رکھے۔ (آمین ثم آمین)

## نماز جنازہ

حرمین شریفین میں فرض نماز کے بعد اکثر نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے۔ زائرین کرام کو چاہئے کہ امام صاحب کے ساتھ پہلے نماز جنازہ ادا کریں۔ اور دیگر سنتیں اور نوافل اس کے بعد ادا کریں۔ کیونکہ نماز جنازہ کا بہت زیادہ ثواب ہے۔ واضح رہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سنتیں اور نوافل گھر جا کر ادا کرتے تھے۔

# اسلام میں امانت کی اہمیت

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔سورۃ النساء: ۵۸

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا ۙ وَ اِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمۡ بِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ﴿۵۸﴾

(ترجمہ) اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو، اللہ تمہیں بہت خوب نصیحت کرتا ہے، بیشک اللہ سُنتا اور دیکھتا ہے۔

اس آیت کا شان نزول بہت دلچسپ ہے۔

فتح مکہ سے پہلے خانہ کعبہ کی چابیاں حضرت عثمان بن طلحہ کی تحویل میں رہتی تھی۔ فتح مکہ کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن طلحہ سے خانہ کعبہ کی چابیاں طلب فرمائیں۔ عثمان بن طلحہ نے قدرے پس وپیش کے ساتھ یہ کہہ کر چابیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کیں کہ میں یہ چابیاں آپ کو بطور امانت دے رہا ہوں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبۃ اللہ کا دروازہ کھولا اور اندر سے تمام بتوں کو نکال کر نیست ونابود کر دیا۔حضرت عمرؓ کے مطابق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کعبۃ اللہ سے باہر تشریف لائے تو آپ نے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۵۸ کی تلاوت فرمائی۔

اب آپ نے چابیاں دوبارہ حضرت عثمان بن طلحہ کو واپس کرنا چاہیں تو حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے یہ کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چابیاں لوٹانے سے روکنا چاہا اور کہا کہ آج سے یہ چابیاں عباسؓ یا علیؓ کی تحویل میں رکھیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ بات رد کرتے ہوئے فرمایا یہ چابیاں مجھے امانت کے طور پر دی گئیں تھیں۔ اور امانت میں خیانت کرنا اسلامی قانون کے خلاف ہے۔ حضرت عثمان بن طلحہ نے خوشی خوشی چابیاں واپس لے لیں اور

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بلند کردار سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

اس بات کو خاص طور پر نوٹ کیا جانا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خانۂ کعبہ کی جو چابی حضرت عثمان بن طلحہؓ کو مرحمت فرمائی، اس کی مالی اعتبار سے کوئی قیمت نہیں تھی کیونکہ وہ محض ایک پرانی دھات کا ٹکڑا تھا۔ دراصل خانۂ کعبہ کی خدمت گزاری حاصل ہونا ایک بہت بڑا اعزاز تھا اس لئے امانت کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ایک انتہائی اہم فرض کی ذمہ داری کس کو سونپ رہے ہیں۔ اس لئے کسی کو ایک اہم ذمے داری سونپنا ہی امانت ہے۔

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دیا ہوا کوئی بھی خطبہ ایسا نہیں ہوتا تھا جس میں یہ تذکرہ نہ ہو کہ جو امانت میں خیانت کرتا ہے اُس کا دل ایمان سے خالی ہے۔ اور جو کسی عہد کو توڑتا ہو اسے اسلامی زندگی کا ذرا برابر بھی شعور نہیں۔ (بیہقی)

حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ منافق کی نشانی یہ ہے کہ وہ امانت میں خیانت کرتا ہے۔ (مسلم و بخاری)

اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل ہونے کی چند شرائط سورۃ المومنون اور سورۃ المعارج میں بیان فرمائی ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ سورۃ المعارج: ۳۲ تا ۳۵

وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآٮِٕمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓٮِٕكَ فِىْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾

(ترجمہ) اور جو اپنی امانتوں اور وعدوں کا پاس کرتے ہیں اور جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں، اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، یہی لوگ (بہشت کے) باغات میں عزت و کرام سے ہونگے۔

پس وعدوں کا پورا کرنا بالکل ایسا ہی اہم ہے جیسے نماز کا صحیح طریقہ سے ادا کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مزید فرمایا (المجالس فی الأمانة) یعنی ہر مجلس کی کارروائی ایک امانت ہے۔ مجلس کی باتوں کو مجلس سے باہر کے لوگوں پر ظاہر نہ کیا جائے۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بھی فرمایا (المشار موتمن) یعنی جس شخص سے جو بھی مشورہ

کیا جائے تو وہ اسے نہایت ایمانداری سے دے اور راز کو فاش نہ کرے۔ ورنہ وہ امانت میں خیانت کا مرتکب ہوگا۔ پس اگر اس نے ایمان داری سے مشورہ نہیں دیا تو گویا اس نے امانت میں خیانت کی۔

آیئے ہم دیکھیں صحابہ کرامؓ غلطی سرزد ہونے کی صورت میں کیا کیا کرتے تھے۔ یہ ذہن نشین کر لیجئے کہ صحابہ کرامؓ بھی ہماری ہی طرح انسان تھے۔ اور ان سے بھی عام انسانوں کی طرح غلطیاں سرزد ہوسکتی تھیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ سوۃ الانفال میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ سورۃ الانفال: ۲۷

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾

(ترجمہ) اے ایمان والو! نہ تو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو جبکہ تم (دیدہ و دانستہ) جانتے ہو۔

یہ آیت کریمہ ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فوجوں نے مدینہ منورہ کے پاس بنو قریظہ کے قبیلے کو محاصرے میں لے لیا اور یہ محاصرہ تقریباً ۲۱ دن جاری رہا۔ بالآخر ابولبابہؓ کو ثالث مقرر کیا گیا۔ جب ابولبابہؓ اس یہودی قبیلے کے پاس پہونچے تو ان لوگوں نے ابولبابہؓ سے پوچھا کہ اگر ہم قلعہ کے باہر آنے کی کوشش کریں تو ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ ابولبابہؓ نے اپنی انگلی اپنے گلے پر پھیری یعنی تمہاری گردنیں اڑا دی جائیں گی۔ دراصل یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابولبابہؓ کے درمیان ایک راز کی بات تھی۔ جیسے ہی ابولبابہؓ یہودی قبیلے سے مل کر واپس آئے تو انہیں اپنی غلطی کا بُری طرح احساس ہوا۔ اور نتیجہ کے طور پر انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی میں ایک ستون سے باندھ لیا۔ یہ سلسلہ سات دن اور سات راتوں تک جاری رہا۔ انہوں نے کہا کہ وہ اپنے آپ کو اس وقت تک آزاد نہ کریں گے جب تک ان کی توبہ قبول نہ ہو جائے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بارے میں معلوم ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ابولبابہؓ سیدھے میرے پاس آجاتے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ اللہ ان کی غلطی

معاف فرما دے۔ اب میں یہ معاملہ اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔ انہیں چاہئے کہ اس وقت کا انتظار کریں جب تک کہ ان کے احساسِ ندامت کو اللہ تعالیٰ خود قبول نہ کرلیں۔

سات دن کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابولبابہؓ کی غلطی کو معاف فرما دیا۔ اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک وعدہ خلافی اور راز کو افشاء کرنا ایک سنگین جرم سمجھا جاتا تھا جس کے سرزد ہونے پر حضرت ابولبابہؓ نے خود اپنے آپ کو ایسی شدید اور تکلیف دہ سزا دی۔

ہم آج بھی مسجد نبوی کے اندر یہ ستون دیکھ سکتے ہیں جو ستون ابولبابہؓ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ ستون ٹھیک اس پیڑ کی جگہ بنا ہوا ہے جس پیڑ سے ابولبابہؓ نے اپنے آپ کو باندھ لیا تھا۔ بہت سے افراد (حاجی صاحبان) اس ستون کے قریب جا کر نفل ادا کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی مغفرت کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔

اس گفتگو سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کسی بھی حکومت یا ادارے کی اہم ذمے داریوں کو امانت کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی حاکم اپنے کسی دوست یا رشتے دار کو ایسی ذمے داری دیتا ہے جس کا وہ اہل نہیں ہے تو ایسے حکمران پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔ ایسے لوگوں کی عبادت قبول نہ ہوگی اور وہ جہنم کی آگ کے سپرد کر دیئے جائیں گے۔ (جمع الفوائد)

بخاری شریف میں درج ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إذا وسد الأمر إلی غیر أهله فانتظر الساعة

یعنی جب آپ یہ دیکھیں کہ اہم ذمے داریوں کے عہدے ایسے نااہل لوگوں کو دیئے گئے ہوں جو اس کے اہل اور قابل نہیں ہیں تو (اس فساد کا کوئی علاج نہیں) آپ کو یومِ حساب کا انتظار کرنا چاہئے۔

علاوہ ازیں امانت ایک بڑی ذمے داری ہے جسے مکمل دیانت اور خلوص سے ادا کیا جانا چاہئے۔ امانت میں خیانت کرنے کے نہایت سنگین نتائج برآمد ہوں گے۔

مثال کے طور پر ایک دن حضرت ابوذرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ انہیں کوئی

اہم ذمے داری کا عہدہ عطا کیا جائے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

یا أباذر أنك ضعیف وإنها أمانة وإنها یوم القیامة خزی وندامة إلا من أخذ بحقها وادی الذی علیه فیها (مسلم)

(ترجمہ) اے ابوذرؓ تم ضعیف آدمی ہو اور اہم منصب اللہ کی امانت ہے جو لوگ اس ذمہ داری کو پورا نہیں کرسکتے وہ قیامت کے دن ذلیل وخوار ہوں گے سوائے اس شخص کے جس نے امانت کا حق پورا ادا کر دیا۔

آیئے ہم سورۃ النساء کی آیت ۵۸ پر مزید غور وخوض کریں۔ اس آیت کریمہ میں اللہ یوں فرماتا ہے کہ ''تم جب دو لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو فیصلہ انصاف کے ساتھ کرو۔'' یہ حکم صرف وزراء اور حکام پر ہی لاگو نہیں ہوتا بلکہ عام انسانوں پر بھی لاگو ہوتا ہے۔

غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے بین المسلمین یا بین المومنین نہیں کہا بلکہ بین الناس کہا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام لوگوں کو برابر انصاف ملنا چاہیئے۔ خواہ وہ دوست ہوں، یا دشمن، مسلم ہوں یا غیر مسلم، چاہے ہموطن ہوں یا اجنبی، سب کو برابر کا انصاف ملنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ان بین الاقوامی مساوی حقوق العباد کی تلقین فرماتے ہیں۔ جبکہ دوسرے مذاہب کا بین الاقوامی مساوی حقوق کا پرچار بودا اور محض دکھلاوا ہے۔

یہ بھی قابل غور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے امانت کا ذکر کیا اس کے بعد انصاف کی بات کی۔ شاید یہ اس لئے ہے کہ انصاف اس وقت تک قائم نہیں کیا جاسکتا جب تک اہم ذمے داریاں قابل اور اہل لوگوں کے سپرد نہ کی جائیں۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو آج کل حکومتوں اور دوسرے اداروں میں نہیں پائی جاتیں جن میں مساجد اور اسلامی ادارے بھی شامل ہیں۔ جب تک صحیح عہدے صحیح لوگوں میں تقسیم نہیں کیئے جائیں گے اُس وقت تک کسی بھی ادارے کے مسائل صحیح طور پر حل نہیں کیئے جاسکتے۔

قرآن حکیم اس بات کو بھی رد کرتا ہے کہ کسی حکومت میں عہدے لوگوں کی آبادی کے تناسب سے تقسیم کیئے جائیں۔ یہ عہدے اُن کا ذاتی حق نہیں ہے۔ یہ عہدے تو اللہ کی امانت

ہیں اور صرف باصلاحیت لوگوں کو ہی دیئے جانے چاہئیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صلاحیتیں پرکھنے کی کسوٹی کیا ہے؟

قرآن پاک میں مندرجہ ذیل قصہ اس بارے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو کمسن لڑکیوں کو کنویں کے پاس اپنے جانوروں کے ساتھ دیکھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی دیکھا کہ بہت سارے لوگ اپنے جانوروں کے لئے کنویں سے پانی نکالتے ہیں اور ان کے جانور پانی پی کر واپس چلے جاتے ہیں، ان لڑکیوں نے اپنے جانوروں کو بڑی دیر تک کنویں سے دور رکھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آخر کار لڑکیوں سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ لڑکیوں نے جواب دیا: ہمارے والد صاحب بہت بوڑھے ہیں ہم کنویں سے پانی نہیں کھینچ سکتیں۔ ہم کنویں پر اس وقت جاتی ہیں جب سب کے جانور پانی پی کر چلے جاتے ہیں اور ہمارے جانور بچا ہوا پانی پی لیتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کنویں سے پانی خود نکالا اور ان لڑکیوں کے جانوروں نے پیٹ بھر کر پانی پیا، اور لڑکیاں گھر واپس چلی گئیں۔ انہوں نے اپنے والد صاحب سے درخواست کی کہ موسیٰ علیہ السلام کو نوکر کے طور پر رکھ لیں۔ کیونکہ وہ قوی بھی ہیں اور امین بھی۔ یعنی وہ کام کرنے کی طاقت بھی رکھتے ہیں اور ایماندار بھی ہیں۔ پس کوئی عہدہ سونپنے سے پہلے یہ دونوں شرائط بیک وقت پوری ہونی چاہئیں ورنہ یہ امانت میں خیانت ہوگی۔

پس کسی ادارے یا حکومت کے قیام کے لئے مندرجہ ذیل قوانین لاگو ہونے چاہئیں۔

۱۔ اصل حکمران اللہ ہے اور اسی کا حکم چلنا چاہیے۔

۲۔ تمام حکومتیں اللہ کے احکام یا اُس کی نمائندہ ہیں۔

۳۔ کسی بھی ملک میں صحیح طاقت اللہ کی ہے۔

۴۔ کسی اختلاف کی صورت میں انصاف کرتے وقت نسل، زبان، رنگ یا مذہبی اعتقاد کا لحاظ نہیں کیا جانا چاہیے۔

۵۔ عہدوں کی تقسیم آبادی کے تناسب پر نہیں ہونی چاہیے۔ صرف اہل اور قابل لوگوں کو ہی ذمے داری سونپی جانی چاہیے۔

۶۔ چونکہ لوگ دنیا میں اللہ کے نمائندے ہیں اس لئے ان کو چاہئے کہ وہ ہر شعبۂ زندگی میں اللہ کے احکام اور ہدایت پر عمل کریں۔

اب میں آپ کی توجہ اس واقعہ کی طرف دلاتا ہوں جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی تو اس وقت حضرت علیؓ کو اپنی جگہ بستر پر سلا کر یہ ہدایت دی کہ صبح ہوتے ہی جس شخص کی جو بھی امانت میرے پاس موجود ہے اسے ان کے ورثاء کے حوالے کر دی جائے۔ یہ وہ وقت تھا جب تمام قبیلوں نے ایک ساتھ مل کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کو گھیر لیا تھا تاکہ نعوذباللہ انہیں قتل کیا جاسکے۔ اور دوسری طرف آپ کے کردار کی عظمت دیکھئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بدترین دشمنوں کو بھی امانتیں واپس کرنے کا حکم دیا کیونکہ امانت میں خیانت بہت بڑا گناہ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ ہم کو ہدایت دے کہ ہم اپنی امانتوں اور وعدوں کو اسی طرح پورا کرنے کی کوشش کریں۔ آمین

## سجدہ تلاوت

حرمین شریفین میں جمعہ کے روز فجر کی نماز کی پہلی رکعت میں امام صاحب (سنت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق) اکثر سورۃ السجدہ کی تلاوت فرماتے ہیں (بخاری ومسلم)۔ آیتِ سجدہ کے بعد امام صاحب حالت قیام سے سجدے میں چلے جاتے ہیں۔ ہر مقتدی کو بھی امام صاحب کے ساتھ سجدہ تلاوت کرنا چاہئے۔

نوٹ: دیگر ممالک کے امام صاحبان سے درخواست ہے کہ اس سنت پر عمل کریں۔ تاکہ زائرین کرام حرمین شریفین آنے سے پہلے اس کے عادی ہو جائیں۔

نوٹ: ان امور کی اپنے دوسرے بھائیوں کو پیار ومحبت سے یاددہانی کرائیں کیونکہ ان میں سے بعض تعلیم یافتہ نہیں ہوتے۔ اور یہ کہ اکثر عورتوں کو مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا پہلے تجربہ نہیں۔

# تقدیر اور آخرت

زندگی اور موت کا ایک وقت مقرر ہے، جسے کوئی بھی بدل نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ کی آیات نمبر ۲۴۶، ۲۴۷ میں ہماری رہنمائی کے لئے ایک واقعہ بیان فرمایا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد رونما ہوا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَ مَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَ اَبْنَآىِٕنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۴۶﴾ وَ قَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰی یَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَیْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَ لَمْ یُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَیْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ یُؤْتِیْ مُلْكَهٗ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۴۷﴾

(ترجمہ) بھلا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا جس نے حضرت موسیٰ کے بعد اپنے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا کہ اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے تو عجب نہیں کہ لڑنے سے پہلو تہی کرو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم راہِ اللہ میں کیوں نہ لڑیں گے، جب کہ ہم وطن سے نکال دیے گئے ہیں اور بال بچوں سے جُدا کر دیے گئے ہیں، لیکن جب اُن کو جہاد کا حکم دیا گیا تو چند اشخاص کے سوا سب پھر گئے۔ اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔ اور پیغمبر نے اُن سے (یہ بھی) کہا کہ اللہ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔ وہ بولے کہ اُسے ہم پر بادشاہ کا حق کیونکر ہوسکتا ہے، بادشاہی کے مستحق تو ہم ہیں اور اُس کے پاس تو بہت سی دولت بھی نہیں۔ پیغمبر نے کہا اللہ نے

اس کو تم پر (فضیلت دی ہے اور بادشاہی کے لئے) منتخب فرمایا ہے۔ اس نے اسے علم بھی بہت سا بخشا ہے اور جسمانی طاقت بھی عطا کی ہے اور اللہ (کو اختیار ہے) جسے چاہے بادشاہی بخشے۔ وہ بڑا کشائش والا اور دانا ہے۔

یہ بات قابل افسوس ہے کہ امیروں نے غریبوں پر حکومت کرنا اپنا پیدائشی حق سمجھ رکھا ہے۔ انہوں نے اس حقیقت کو بالکل فراموش کر دیا کہ اصل بادشاہی اور حکومت صرف اللہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس پر چاہے اپنے انعامات واکرامات کی بارش کر سکتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے طالوت کو علم اور جسمانی طاقت عطا کی تاکہ وہ اپنی ذمے داریوں کو بخوبی ادا کر سکیں۔ پس علم دولت سے زیادہ اہم ہے۔

یاد رکھیے۔ یہ ضروری ہے کہ آدمی اپنا فرض بخوبی ادا کرنے کے لئے جسمانی اور ذہنی طور پر تندرست ہو، وہ مال ودولت کے نشے سے صحیح طور پر حکومت نہیں کرسکتا۔ قوم بنی اسرائیل نے مایوس ہوکر اپنے پیغمبر سے کہا کہ ہمیں طالوت کے بارے میں کوئی معجزہ دکھایئے، جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ طالوت واقعی اللہ کے سچے نمائندے ہیں۔ سورۃ البقرۃ: ۲۴۸

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۴۸﴾

(ترجمہ) اور پیغمبر نے ان سے کہا کہ ان کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہونگے۔ اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تسلی (بخشنے والی چیز) ہوگی اور کچھ اور چیزیں بھی ہونگی جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام چھوڑ گئے تھے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یہ تمہارے لئے ایک بڑی نشانی ہے۔

یہ نشانی دیکھنے کے بعد بھی بنی اسرائیل کے اس گروہ میں سے چند ہی افراد اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلے۔ اُن میں بھی بہت کم لوگ سنجیدہ طور پر اور باقی صرف خانہ پری کے لئے تیار ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کا اپنا ایک مخصوص طریقہ ہے جس کے ذریعہ وہ بندوں کا امتحان لیتا ہے۔ یہ امتحانات کیا ہیں ان کی تشریح اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی۔سوۃ البقرۃ:۲۴۹۔۲۵۰

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَ مَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ؕ﴿۲۵۰﴾

(ترجمہ) غرض جب طالوت فوجیں لے کر روانہ ہوا تو اس نے (اُن سے) کہا کہ اللہ ایک نہر سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔ جو شخص اس میں سے پانی پی لے گا (اس کی نسبت تصور کیا جائے گا) وہ میرا نہیں۔ اور جو نہ پیے گا وہ (سمجھا جائے گا کہ) میرا ہے۔ ہاں اگر کوئی ہاتھ سے چُلو بھر پانی لے لے (تو خیر۔ جب وہ لوگ نہر پر پہنچے) تو چند شخصوں کے سوا سب نے پانی پی لیا۔ پھر جب طالوت اور مومن لوگ جو اس کے ساتھ تھے نہر کے پار ہو گئے۔ تو کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اُس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ لیکن جو لوگ یقین رکھتے تھے کہ اُن کو اللہ کے رُوبرو حاضر ہونا ہے وہ کہنے لگے کہ بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور اللہ استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب وہ لوگ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابل میں آئے تو (اللہ سے) دعا کی کہ اے پروردگار ہم پر صبر کے دہانے کھول دے اور ہمیں (لڑائی میں) ثابت قدم رکھ اور (لشکر) کفار پر فتح یاب کر۔

اللہ تعالیٰ نے نہر کے امتحان کے ذریعہ سچے اور کمزور ایمان والوں کے درمیان تمیز قائم کی۔ ان چند سچے لوگوں نے نہ صرف یہ کہ دوسروں کے سامنے اللہ کی برتری اور طاقت کا ثبوت پیش کیا بلکہ اللہ کے روبرو اپنی عاجزی اور انکساری کا اظہار بھی کیا۔ لہٰذا مومن کو

اپنے تقویٰ اور پرہیزگاری پر غرور کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس تقویٰ کا نتیجہ کیا نکلا۔ سورۃ البقرۃ ۲۵۱

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ۫ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾

(ترجمہ) تو طالوت کی فوج نے اللہ کے حکم سے انکو ہزیمت دی اور داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔ اور اللہ نے اس کو بادشاہی اور دانائی بخشی اور جو کچھ چاہا سکھایا۔ اور اللہ لوگوں کو ایک دوسرے (پر چڑھائی اور حملہ کرنے) سے ہٹاتا نہ رہتا تو ملک تباہ ہوجاتا لیکن اللہ تمام جہانوں پر بڑا مہربان ہے۔

یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ مندرجہ بالا آیات میں لفظ ''بہت کم'' تین بار استعمال ہوا ہے۔ پہلی بات جب جنگ میں شامل ہونے کی تجویز ان کے سامنے رکھی گئی تو ''بہت کم'' لوگ سامنے آئے پھر ''بہت کم'' لوگوں نے نہر کا پانی نہیں پیا۔ ان بچے ہوئے لوگوں میں سے ''بہت کم'' لوگوں نے جالوت کی زبردست طاقت سے ٹکرانے کا فیصلہ کیا۔ اور آخر میں انتہائی قلیل تعداد میں یہ لوگ سامنے آئے جن کا تقدیر اور آخرت پر کامل یقین تھا۔

اللہ تعالیٰ نہ صرف ان کو کامیابیوں سے سرفراز کیا بلکہ اقتدار کے ساتھ ساتھ مختلف علوم کی دولت سے بھی نوازا۔ سورۃ البقرۃ: ۲۶۹

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

(ترجمہ) وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے۔ اور جس کو دانائی ملی بے شک اس کو بڑی نعمت ملی۔ اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔

یہاں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت ہی

خاص صحابہ کرامؓ میں سے ایک صحابی تھے۔ انہوں نے کئی جنگیں لڑیں۔ ان کے جسم کا کوئی حصہ بھی ایسا نہیں تھا جس پر زخم کا نشان نہ ہو۔ وہ شہید ہونا چاہتے تھے۔لیکن ان کا انتقال ہوا، ان کے اپنے گھر میں، اپنے بستر پر!

پس زندگی اور موت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اور یہ ضروری ہے کہ ہم تقدیر اور آخرت پر پختہ ایمان رکھیں پھر انشاء اللہ آپ کامیاب وکامران ہوں گے۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ تقدیر اور آخرت پر ہمارے ایمان کو تقویت دے۔ (آمین ثم آمین)

## اہم یاددہانی

واضح ہو کہ بغیر وضو نماز قبول نہیں ہوتی۔لہٰذا وضو کے دوران مندرجہ ذیل امور کی احتیاط فرمائیں۔

۱۔ کہنیاں خشک نہ رہیں　　۲۔ ٹخنے خشک نہ رہیں

### نماز کے دوران مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھیں:

۱۔ امام صاحب کی کسی حرکت سے پہلے آپ وہ حرکت نہ کریں۔

۲۔ رکوع کے بعد بالکل سیدھے کھڑے ہوں۔

۳۔ دو سجدوں کے درمیان ٹھیک طرح سے بیٹھیں۔

۴۔ سجدے کے درمیان پاؤں زمین پر جمے رہیں۔

۵۔ سجدے کے دوران ناک کو بھی زمین سے لگا رکھیں۔

۶۔ سجدے کے دوران کہنیاں زمین سے بلند رکھنی چاہئیں (مسلم)

۷۔ دوڑ کر جماعت میں شامل نہ ہوں بلکہ طبعی چال سے چل کر شامل ہوں۔

# غیر مسلموں سے دوستی

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ سورۃ آل عمران: ۲۸

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

(ترجمہ) مومنوں کو چاہئے کہ مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں اگر اس طریق سے تم ان (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو (تو مضائقہ نہیں) اور اللہ تم کو اپنے (غضب) سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف (تم کو) لوٹ کر جانا ہے۔

آیئے پہلے دو شخصوں یا دو جماعتوں کے درمیان تعلقات یا دوستی کے مختلف درجات کو سمجھنے کی کوشش کریں تا کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو صحیح رنگ میں سمجھ سکیں۔ دو جماعتوں کے درمیان دوستی کے کئی درجات ہوتے ہیں۔ تعلقات کا پہلا درجہ بالواسطہ دل سے دل کو ہے اور اسے موالات کہتے ہیں۔ اس کی اجازت صرف مومنین کے درمیان ہی ہے۔

تعلقات کا دوسرا درجہ ہمدردی اور خیر خواہی پر مبنی ہے جسے مواسات کہتے ہیں۔ یہ غیر مسلموں سے بھی جائز ہے۔ سوائے ان کے جنہوں نے مومنین سے جنگ کی ہو اور مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا ہو۔ اس کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ سورۃ الممتحنہ: ۸

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۸﴾

(ترجمہ) جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اُن کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تمہیں منع نہیں کرتا۔

اللہ تو انصاف کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔

دوستی کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا۔ اسے مدارات کہتے ہیں۔ ایسا کرنے کی اجازت کافروں کے ساتھ بھی ہے۔ مثال کے طور پر جب کافر آپ کے مہمان ہوں اس وقت آپ ان کی عزت افزائی کریں۔

کافروں کے شروفساد سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے بھی مومنوں کو کافروں کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرنے کی پوری اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات کی یوں وضاحت کرتا ہے۔ سورۃ آل عمران: ۲۸

اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ط

(ترجمہ) ہاں اگر اس طریق سے تم ان (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو (تو مضائقہ نہیں)۔

تعلقات کا چوتھا درجہ صنعت وتجارت اور ملازمت کے تعلق سے ہے اور اس کو معاملات کہتے ہیں۔ معاملات روا رکھنے کی اجازت کافروں سے اس حد تک ہے کہ اس سے مسلمانوں کو نقصان نہ پہونچے لہٰذا نوکری کی خاطر غیر مسلموں کے ماتحت ان کے کاروبار میں کام کرنے کی اجازت ہے سوائے اسلحہ جات کی فروخت کے، اسی طرح مسلمان غیر مسلم کو ملازم بھی رکھ سکتے ہیں۔

مثلاً ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ذاتی حسن سلوک کا مظاہرہ کچھ اس طرح کیا کہ جب مکہ مکرمہ میں ایک بار قحط پڑا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ والوں کی مدد فرمائی۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا گھر چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور کیا تھا۔

اسی طرح فتح مکہ کے بعد تمام اہل مکہ اس وسوسے میں مبتلا تھے کہ یا تو انہیں جان سے مار دیا جائے گا یا پھر غلام بنا لیا جائے گا یا پھر کم از کم ان کی املاک ضبط کر لی جائیں گی۔ وہ انتہائی فکر مند تھے کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا حکم صادر فرماتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس تاریخی خطبہ میں اہل مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: سورۃ یوسف: ۹۲

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط

(ترجمہ) آج کے دن (سے) تم پر کچھ عتاب (وملامت) نہیں ہے۔

پوری تاریخ انسانی میں اس قسم کا کوئی بھی واقعہ نہیں ہے جس میں اپنے دشمنوں کے ساتھ کسی نے اتنا اچھا سلوک کیا ہو۔ اور اس حسن اخلاق کا اثر یہ ہوا کہ ہزاروں کفار مکہ نے اسلام قبول کرلیا۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ بنو ثقیف کے کچھ لوگوں کو جو کافر تھے مسجد نبوی میں رہنے کی اجازت دیدی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کی تعظیم کی اور ان کے ساتھ عزت سے پیش آئے۔

خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن خطابؓ غیر مسلموں کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے سرکاری خزانے سے وظائف عطا فرمایا کرتے تھے۔

دوستی کے ان چاروں درجات کی تفصیل کو مدنظر رکھتے ہوئے اب ہم قرآن حکیم کی دیگر آیات کا مطالعہ کرسکتے ہیں، جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کے درمیان تعلقات کا ذکر فرمایا ہے۔ سورۃ الممتحنہ:۱

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ

(ترجمہ) مومنو! میرے اور اپنے دُشمنوں کو دوست مت بناؤ۔ تم ان کو دوستی کے پیغام بھیجتے ہو۔

اسی آیت کریمہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَ اَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَيْتُمْ وَ مَاۤ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَ مَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ①

(ترجمہ) تم اُن کو چھپا کر دوستی کے پیغام بھیجتے ہو۔ جو کچھ تم مخفی طور پر اور جو علی الاعلان کرتے ہو وہ مجھے معلوم ہے۔ اور جو کوئی تم میں سے ایسا کرے گا وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورۃ المائدہ:۵۱

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ ؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۱﴾

(ترجمہ) اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو شخص تم میں سے اُن کو دوست بنائے گا وہ بھی انہیں میں سے ہوگا۔ بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے۔ سورۃ المجادلہ:۲۲

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ؕ

(ترجمہ) جو لوگ اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے۔ خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔

لہٰذا اہلِ ایمان کی مختلف درجات کی دوستی یا دشمنی کا معیار محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری اور پیروی ہے۔ ذاتی، نسلی یا علاقائی تعلقات کو دوستی کا معیار نہیں بنانا چاہیے۔ مشہور مقولہ ہے۔ "الحب للہ البغض للہ"۔ یعنی محبت اللہ کی خوشنودی کے لئے ہو اور دشمنی بھی اللہ کے لئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کسی نے بھی محض اللہ کی رضا جوئی کی خاطر دوستی یا دشمنی کی اس نے گویا اپنا ایمان مکمل کرلیا۔ (بخاری اور مسلم)

یہ بات بالکل واضح ہے کہ مومنوں کو یہودیوں اور عیسائیوں سے گہری دوستی کی اجازت اس لئے نہیں ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اسلامی حکومت کے اہم راز اُن تک پہنچ جائیں اور مسلمانوں اور اسلامی ریاست کی بقا خطرے میں پڑ جائے۔ سورۃ آل عمران ۱۱۸ تا ۱۲۰

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا

عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ
الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ
كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ ؕ قُلْ
مُوْتُوْا بِغَیْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۟
وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّكُمْ كَیْدُهُمْ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ
اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

(ترجمہ) مومنو! کسی غیر (مذہب کے آدمی) کو اپنا راز دار نہ بنانا۔ یہ لوگ تمہاری خرابی (اور فتنہ انگیزی کرنے) میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ (جس طرح ہو) تمہیں تکلیف پہنچے۔ ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے۔ اور جو (کینے) ان کے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں۔ اگر تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سنا دی ہیں۔ دیکھو تم ایسے (صاف دل) لوگ ہو کہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہو حالانکہ وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے اور تم سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو (اور وہ تمہاری کتاب کو نہیں مانتے) اور جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر غصے کے سبب انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں (ان سے) کہہ دو کہ (بدبختو) غصے میں مر جاؤ۔ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے، اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو ان کو بُری لگتی ہے اور اگر تمہیں برائی پہنچے تو خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو ان کا فریب تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ یہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس پر احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

یاد رکھیے کہ ان تمام باتوں کے باوجود جو کافر اسلامی مملکت میں رہتے ہیں مومنین کو ان سے متعلقہ اسلامی فرائض کو بدرجہ اُتم ادا کرنا ہوگا۔

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت کے روز اسلامی حکومت میں رہنے والے اس کافر کی طرفداری میں کروں گا جسے کسی مومن نے تکلیف پہنچائی ہوگی اور جس کی طرفداری میں کروں گا فتح اسی کی ہوگی۔

اس طرح حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے اس بات سے سختی سے روکا ہے کہ میں کسی کافر کو جبکہ وہ کسی اسلامی حکومت میں رہ رہا ہو ایذا پہنچاؤں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں بروز قیامت اس کافر کی طرفداری کروں گا جس کے حقوق کی پامالی کسی مومن نے کی ہوگی۔

پس اسلامی حکومت میں رہنے والے کافر اور مومن کے درمیان تعلقات کی بنیاد نہایت صاف ستھری، باعزت اور معقول ہے۔

دعا ہے کہ اللہ ہم سب کو بھی ان ہدایات کی روشنی میں زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

## حدیث

حضرت ابیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے ابوالمنذرؓ! کیا تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے سب سے افضل کونسی آیات ہیں؟'' میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اسکا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوب جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا: ''اے ابوالمنذرؓ! کیا تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سب سے افضل کونسی آیات ہیں؟'' میں نے عرض کیا: آیت الکرسی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سینے پر (شاباش کا) ہاتھ مارا۔ اور فرمایا: ''اے ابوالمنذرؓ! تجھے تیرا علم مبارک ہو''۔ (مسلم شریف)

نوٹ: کیونکہ آیت الکرسی میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفتیں اور ناموں کی جڑیں مذکور ہیں۔

# حلال اور حرام کا تصور

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ سورۃ البقرۃ: ۱۸۸

وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

(ترجمہ) اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو (رشوت کے طور پر) حاکموں کے پاس پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ سے (ناجائز طور پر) کھا جاؤ اور (اسے) تم جانتے بھی ہو۔

اس آیت کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دو صحابیوں کے درمیان زمین کے ایک ٹکڑے کے بارے میں تنازعہ پیدا ہو گیا۔ دونوں حضور کے پاس آئے مدعی کے پاس گواہ نہیں تھا۔ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدعا علیہ سے پوچھا کیا تم قسم کھا کر کہہ سکتے ہوں کہ یہ تمہاری ملکیت ہے۔ وہ حلف کے لئے راضی ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یاد دہانی کے طور پر مندرجہ ذیل آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ سورۃ آل عمران: ۷۷

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾

(ترجمہ) جو لوگ اللہ کے اقراروں اور اپنی قسموں (کو بیچ ڈالتے ہیں اور ان) کے عوض تھوڑی سی قیمت حاصل کرتے ہیں ان کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ان سے اللہ نہ تو کلام کرے گا اور نہ قیامت کے روز ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا۔ اور ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔

مدعا علیہ نے جب یہ آیت سنی تو اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ اسے اس

بات کا خوف ہوا کہ اگر اس زمین کی ملکیت کے حکم نامے پر کسی شک وشبہ کی صورت نکلی تو میں بروز قیامت سراسر خسارے میں ہونگا۔اسی لئے حضورﷺ نے مدعی کو زمین کا وہ ٹکڑا دے دیا۔ پس جس طرح دوسروں کی املاک پر غلط طریقہ سے قبضہ کرنا حرام ہے اسی طرح جھوٹا مقدمہ، جھوٹی قسم اور جھوٹی گواہی یہ سب حرام ہیں۔

البقرہ کی آیت نمبر ۱۸۸ میں بَیۡنَکُمۡ کا استعمال کافی دلچسپ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بات کا سبق دینا چاہتے ہیں کہ دوسروں کی ملکیت کو غصب کرنا دوسروں کو اکساتا ہے کہ وہ بھی تمہاری ملکیت غصب کرلیں مثال کے طور پر اگر ایک آدمی دودھ میں پانی ملاتا ہے دوسرا کھانے کی ناقص چیزیں بیچتا ہے، ایک تیسرا شخص اچھی اور بُری کھجوریں ملا کر بیچتا ہے، ہر شخص ایک دوسرے بھائی کی دولت کو غلط طریقہ سے نگل رہا ہے۔ درحقیقت یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنی ہی دولت کو غلط طریقہ سے استعمال کرے اور اس صورت میں ہر ایک کا خسارہ ہی خسارہ ہے۔ اس سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ دوسروں کے مالی نقصان اٹھانے کا بالکل اسی طرح دکھ ہوتا ہے جیسے ہمیں اپنے مال کے ضائع ہونے پر دکھ ہوتا ہے۔ پس دوسرے کے مال کی حفاظت اس طرح کرو جیسے تم اپنے مال کی کرتے ہو۔

اُم سلمہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسولﷺ نے فرمایا میں تمہاری طرح ہی ایک انسان ہوں۔تم اپنے تنازعے مجھ تک لاتے ہو، ہوسکتا ہے کہ تم میں سے ایک اپنا دعویٰ اس خوبصورتی سے پیش کرے کہ میں اس کے حق میں فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔ یہ مت بھولو کہ صحیح علم صرف اللہ کو ہے۔ اگر یہ تمہارا حق نہیں ہے تو اسے مت لو۔ اس صورت میں تم کو جو کچھ ملے گا وہ جہنم کا ایک حصہ ہوگا۔ (بخاری اور مسلم)

لہٰذا ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ دنیا کی کوئی بھی عدالت یہاں تک کہ حضورﷺ کی عدالت میں حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں ٹھہرا سکتی۔ سورۃ البقرۃ: ۱۶۸

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوۡا مِمَّا فِى الۡاَرۡضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ‌ؕ اِنَّهٗ لَـكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۶۸﴾

(ترجمہ) اے لوگوں جو چیزیں زمین میں حلال اور طیب ہیں وہ کھاؤ۔ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔ سورۃ المومنون: ۵۱

یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًاؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌؕ﴿۵۱﴾

(ترجمہ) اے پیغمبرو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے میں بخوبی واقف ہوں۔

اس آیت سے واضح ہے کہ اگر ہم حلال غذا کھائیں گے تب ہی نیک کام کرسکیں گے۔ حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید وضاحت فرمائی کہ یہ حکم صرف پیغمبروں کے لئے ہی نہیں بلکہ ان کے پیروکاروں کے لئے بھی ہے۔

ان دونوں آیات میں حلال اور طیب الفاظ آئے ہیں۔ یہاں حلال کا مطلب ہے، جس کی اسلامی قانون سے اجازت ہے (بغیر کسی روک ٹوک کے) اور طیب کے معنٰی ہیں جو نہ صرف حلال ہو بلکہ تمہاری پسندیدہ چیز بھی ہو۔

حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حرام کھانے والے کی کوئی بھی دعا قبول نہیں ہوتی۔ کئی لوگ عبادت وغیرہ میں مشقت اٹھاتے ہیں۔ پھر ہاتھ پھیلا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں، یا اللہ یا اللہ ہماری ان دعاؤں کو قبول کر لے۔ لیکن اگر ان کا کھانا حرام کا ہے، ان کا پینا حرام کا ہے اور ان کا پہننا حرام کا ہے تو پھر ان کی دعا کیسے قبول ہوگی؟ (مسلم)

حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''وہ لوگ جو حلال کھاتے ہیں، میری سنت پر عمل کرتے ہیں۔ اور کسی کو ایذا نہیں پہونچاتے، ایسے لوگ جنت میں جائیں گے۔'' حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں ''اے اللہ کے نبی یہ چیز آپ کے ماننے والوں میں عام ہے۔'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اور مستقبل میں بھی لوگ اس پر عمل کریں گے۔'' (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر تم نے مندرجہ ذیل چار باتوں پر عمل کیا تو یہ تمہارے لئے کافی ہیں اور اگر تم کو ان سے دنیا میں کوئی دوسرا فائدہ

حاصل نہیں ہوا تو بھی تمہارے لئے یہ کافی ہیں۔

امانت کی حفاظت کرو۔ سچ بولو۔ دوسروں سے حسنِ سلوک سے پیش آؤ اور حلال کھاؤ۔

ایک بار حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ اللہ سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول فرمالے۔ دوسرے الفاظ میں میں مقبول الدعا ہو جاؤں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کہا ''اے سعد اگر تم حلال اور طیب کھاؤ تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہاری تمام دعاؤں کو قبول فرمائے گا۔ یعنی تم مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے۔''

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی حدیث میں مزید فرمایا ''میں اس اللہ کی قسم کھاتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر کوئی انسان حرام چیز کا ایک ٹکڑا بھی کھاتا ہے تو اس کے کسی بھی عمل کو اللہ چالیس دن تک قبول نہیں کرتا۔ اگر کسی کا جسم حرام کھا کر بنا ہے تو اس کا جسم جہنم کی آگ کے ہی لائق ہے۔''

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب سب میدان حشر میں اکٹھے ہوں گے اس وقت کوئی بھی مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب دیئے بغیر جا نہیں سکے گا۔ اس نے اپنی زندگی کس طرح گزاری؟ اس نے اپنی جوانی کیسے گزاری؟ اس نے کیسے روزی کمائی؟ اور اسے کہاں خرچ کیا؟ اپنے علم پر کتنا عمل کیا؟ (البیھقی، الترغیب)

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کا دل اور اس کی زبان مسلمان نہ ہو جائے، اور اس کے پڑوسی اس سے ہر قسم کی ایذا سے محفوظ نہ ہو جائیں۔ اور جب آدمی اپنی حرام دولت میں سے خیرات کرتا ہے تو اللہ اسے قبول نہیں کرتا۔ وہ حرام دولت سے خرچ کرتا ہے تو اس میں برکت نہیں ہوتی۔ اگر وہ یہ دولت اپنی اولاد کے لئے چھوڑتا ہے تو یہ ان لوگوں کے لئے جہنم کا راستہ ہموار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا۔ البتہ وہ ذاتِ باری برے اعمال کو اچھے اعمال سے دھو دیتی ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین کی ایک

جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ’’میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ مندرجہ ذیل پانچ خصلتیں تم میں پیدا نہ ہوں۔

۱۔ جب کسی قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر طاعون جیسی وبائیں مسلط کر دیتے ہیں جن کے بارے میں ان کے آباؤ اجداد کو بھی علم نہیں تھا۔

۲۔ جب لوگ تولنے میں بے ایمانی کرنے لگیں۔ تب اللہ ان پر قحط اور مہنگائی نازل فرما دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کو انتہائی جسمانی اذیّت ملتی ہے اور انہیں حکام کے مظالم کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۳۔ اگر وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تو ان کی زمینوں پر بارش بند کر دی جاتی ہے۔

۴۔ جب وہ لوگ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے کئے ہوئے وعدے فراموش کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ غیر قوم کو ان پر مسلط کرتا ہے، جو ان کی دولت بذریعہ طاقت چھین لیتی ہے۔

۵۔ اگر حکمران طبقہ قرآن حکیم میں دیئے گئے قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے درمیان نفاق پیدا کر دیتا ہے اور وہ ہمیشہ آپس میں لڑتے رہتے ہیں۔‘‘ (مسلم)

یہ دلچسپ بات ہے کہ قرآن پاک میں ماہ صیام کی تفصیل کے فوراً بعد سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۸۸ میں حلال وحرام کا بیان ہے۔ چونکہ روزے کے دوران کئی حلال اشیاء بھی منع ہیں اس طرح روزے کے دوران ہمیں بعض حلال اشیاء سے بھی دور رہنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ یہ تربیت اور صبر ہمارا بہت قیمتی سرمایہ ہے۔ اس کے باعث ہمیں حرام اشیاء سے پوری طرح اجتناب کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ روزہ داروں کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ وہ صرف حلال چیزوں سے ہی روزہ کھولیں۔ اگر یہ حرام اشیاء ہیں تو ایسا روزہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول نہ ہوگا۔

حلال اور حرام کا فیصلہ کسی پیغمبر کے اختیار پر بھی نہیں چھوڑا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ تحریم

آیت نمبر ا میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۗ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ①

(ترجمہ) اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کر دیا ہے اسے آپ کیوں حرام کرتے ہیں۔ کیا آپ اپنی بیویوں کی رضا مندی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ حرام اور حلال کا صحیح فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتے ہیں۔

پس دنیا کی کوئی طاقت یا حکومت حلال وحرام کے مسئلہ کو حل نہیں کر سکتی کیونکہ مختلف پارٹیوں کے مفاد اس میں شامل ہوں گے۔ اس طرح دباؤ کے تحت تیار کئے گئے فیصلے خواہ وہ ذاتی ہوں یا بین الاقوامی انصاف پر مبنی نہیں ہوتے اور اس لئے وہ قابل قبول بھی نہیں ہوں گے۔ صرف اللہ کا حرام وحلال کا قانون ہی تمام لوگوں کے لئے منصفانہ اور قابل قبول ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس لائق بنائے کہ ہم ہمیشہ حلال کے عادی رہیں اور حرام سے بچیں۔ آمین ثم آمین

# سورۃ الفاتحہ

سورۃ الفاتحہ قرآن حکیم کی پہلی سورۃ ہے اور یہ کئی وجوہات کی بنا پر بہت اہم ہے۔

ا۔ پہلی مکمل سورۃ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی اس لئے اس کو فاتحۃ الکتاب کہتے ہیں۔

۲۔ اسے ام الکتاب بھی کہتے ہیں اور ام القرآن بھی کہتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''قسم ہے اس اللہ کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس جیسی کوئی بھی سورت نہ تو تورات میں ہے اور نہ ہی انجیل میں، نہ ہی زبور میں ہے، یہاں تک کہ خود قرآن میں بھی نہیں ہے۔ (مسلم، ترمذی)

۳۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''قرآن کی تمام آیات میں سے سورۃ الفاتحہ سب سے اعلیٰ اور بلند ہے۔''

۴۔ اس سورت کو سورۃ الشفاء بھی کہتے ہیں۔ یعنی جسمانی، نفسیاتی اور روحانی بیماری کے علاج کے لئے اس کا پڑھنا، سمجھنا اور اس پر عمل کرنا نہایت مفید ہے۔

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کا مطلب ہے کہ تمام تعریفیں صرف اللہ کے لئے ہیں۔ یہ صرف اللہ کی تعریف اور شکر گزاری ہی نہیں ہے بلکہ اس میں اللہ کی اکائی اور اس کی واحدانیت بھی مخفی ہے۔ پس اللہ کی تعریف کی دلیل بھی موجود ہے اور یہ قرآن پاک کی فصاحت و بلاغت کی انمول مثال ہے۔

یقیناً ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو ہر انسان اور ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے۔ لہٰذا اسلام کا یہ پہلا ستون ہے، جسے ایمان کہتے ہیں جو اس مخصوص آیت میں پوشیدہ ہے۔

(اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ) اس بات کی دلیل بھی ہے کہ سب تعریف اللہ کے ہی لئے ہونی چاہئے کیونکہ وہ تمام جہانوں کو پیدا کرنے والا ہے، پالنے والا ہے اور سہارا دینے والا ہے

اور معلوم اور نا معلوم دنیاؤں کا چلانے والا ہے۔

آیئے ہم دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں اپنے عمل تخلیق کا بیان کس طرح فرماتا ہے۔

سورۃ الذاریات: ۴۷ تا ۴۹

وَ السَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾

(ترجمہ) اور ہم نے آسمان کو بنایا ہاتھ (قوت سے) اور بے شک ہم ہی پھیلانے والے یا وسعت دینے والے ہیں اور ہم نے زمین کو (بطور) فرش بنایا تو اور ہم کیسا اچھا بچھانے والے ہیں۔ اور ہر چیز کو ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا تا کہ تم نصیحت پکڑو۔

پہلے کے علماء پھیلتے ہوئے آسمانوں کے مفہوم کو نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے ہم کو یہ مشورہ دیا کہ ہم اس بارے میں چپ رہیں۔ آج ہم خلائی تحقیق کے ذریعہ پھیلتی ہوئی دنیا کے مفہوم کو سمجھنے لگے ہیں۔ مثال کے طور پر ہمارا شمسی نظام ستاروں کے ایک کہکشاں کا حصہ ہے۔ اور اس سے کہیں بڑے اور کہکشاں بھی ہیں۔ اور یہ سب کہکشاں ایک دوسرے سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اس طرح ہماری یہ خلائی دنیا دن بدن پھیلتی جا رہی ہے۔ بدقسمتی سے یہ سائنسدان اللہ کی ان کھلی نشانیوں سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتے جو اللہ نے قرآن حکیم میں صدیوں پہلے بیان فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ تخلیق کے بارے میں فرماتے ہیں۔ سورۃ الواقعہ: ۶۸ تا ۷۴

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

(ترجمہ) بھلا دیکھو کہ جو پانی تم پیتے ہو، کیا تم نے اس کو بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرتے ہیں، اگر ہم چاہیں تو ہم اسے کھاری کر دیں پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے؟ بھلا دیکھو تو جو آگ تم درخت سے نکالتے ہو، کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرتے

ہیں؟ ہم نے اسے نصیحت بنایا اور مسافروں کے لیے منفعت بنایا ہے۔ پس تو اپنے عظمت والے رب کے نام کی پاکیزگی بیان کر۔

غور کیجئے کہ یہ آگ ہمیں جہنم کی آگ کی یاد دلاتی ہے گو اس دنیا میں اللہ نے ہمیں اس قابل بنایا ہے کہ اس آگ کا استعمال ہم اپنے آرام اور کھانا پکانے کے لئے کریں! پھر اللہ تعالیٰ انسان کی تخلیق کے بارے میں فرماتا ہے۔ سورہ الانسان۔ ۱ تا ۳

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝١ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝٢ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝٣

(ترجمہ) بیشک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی چیز قابل ذکر نہ تھی۔ ہم نے انسان کو ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا، تا کہ اسے آزمائیں تو ہم نے اس کو سنتا دیکھتا بنایا، (اور) اسے راہ بھی دکھائی (اب) خواہ وہ شکر گزار ہو خواہ ناشکرا۔

ایک انسان اپنے آپ میں ایک چھوٹی سی دنیا ہے جس میں بہت سارے مختلف سسٹم موجود ہیں یہ تمام سسٹم ایک دوسرے کے ساتھ مل کر نہایت ہم آہنگی سے کام کر رہے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کئی نشانیوں میں سے ایک عظیم نشانی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے۔ سورۃ الذاریات: ۲۱

وَ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝٢١

(ترجمہ) اور تمہارے جسم کے اندر (نشانیاں موجود ہیں) پھر تم سوچتے کیوں نہیں؟

یہ ہے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے بارے میں مختصر طور پر معلومات۔

آیئے اب ہم معلوم کریں کہ لفظ ''رحمن'' اور ''رحیم'' کے کیا مطلب ہیں؟ یہ دونوں الفاظ بنیادی لفظ ''رحمت'' سے نکلے ہیں۔ رحمن کا مطلب ہے شروع سے آخر تک رحم ہی رحم! اس لفظ کے لیے جمع کا صیغہ نہیں ہے۔ اور لفظ ''رحمن'' صرف اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کے لئے ہی استعمال ہوتا ہے۔ لفظ ''رحیم'' کا مطلب ہے سراپا رحم! یہ لفظ انسانوں کے لئے بھی استعمال کیا

جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں فرماتا ہے۔
سورۃ التوبہ: ۱۲۸

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنوں پر بڑے شفیق اور بے حد مہربان ہیں۔

پھر ہم سورۃ الفاتحہ میں یہ کہتے ہیں ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ '' کہ اللہ تبارک وتعالیٰ روز جزا کا مالک ہے۔'' اس کی تفصیل کے لئے یوم الحساب کے عنوان سے الگ خطبہ اس کتاب میں موجود ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورۃ الفاتحہ: ۵

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

(ترجمہ) اے پروردگار ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

چونکہ سب تعریفیں اللہ ہی کے واسطے ہیں جس نے ہم انسانوں کو ماضی میں بھی پیدا کیا اور جو حال میں بھی ہم سب پر رحم کر رہا ہے اور آنے والے دور یعنی مستقبل میں مالکِ روز جزا ہو گا۔ پھر ہم کیوں نہ کہیں کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ اس آیت کو سورۃ الفاتحہ کی روح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ آیت نہ صرف اللہ کی تعریف کے لئے ہے بلکہ بندوں کی طرف سے اللہ کے حضور میں دعا بھی ہے۔ پس ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ '' اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ '' آپ ہم کو سیدھے رستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ لفظ ''ہدایت'' تشریح طلب ہے۔ اللہ تعالیٰ تین طریقوں سے ہماری رہنمائی اور ہدایت فرماتا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورۃ الاسراء: ۴۴

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝۴۴

(ترجمہ) ساتوں آسمان اور زمین اور جو لوگ اُن میں ہیں سب اسی کی تسبیح کرتے ہیں اور (مخلوقات میں سے) کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے۔ لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے، بے شک وہ بُردبار (اور) غفار ہے۔

اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے۔سورۃ النور: ۴۱

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَہٗ وَ تَسْبِیْحَہٗ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

(ترجمہ) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو بھی زمین اور آسمان میں ہے وہ سب اللہ کی حمد وثناء کر رہے ہیں۔اور پر پھیلائے ہوئے پرندے (بھی) ہر ایک نے جان لی اپنی دعا اور اپنی تسبیح اور اللہ جانتا ہے کہ جو وہ کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔سورۃ الاعلیٰ: ۱ تا ۳

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۪ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی ۪ۙ﴿۳﴾

(ترجمہ) اپنے پروردگار کی تعریف کیا کرو (حمد وثناء کیا کرو) جس کی ذات بابرکات سب سے اعلیٰ ہے۔جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔پھر ہر چیز کو ایک خاص شکل عطا فرمائی ہے پھر تقدیر بنائی۔اور ایک مخصوص راستے پر چلتے رہنے کی ہدایت فرمائی۔

یہاں پہلا نکتہ یہ ہے اللہ کی سب مخلوق ہدایات یافتہ ہے۔اور تمام چیزیں اس کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق اپنا اپنا کام بخوبی انجام دے رہی ہیں۔مثال کے طور پر ہم اپنے کانوں کو دیکھنے کے لئے استعمال نہیں کر سکتے۔ہم اپنی آنکھوں سے سننے کا کام نہیں لے سکتے! یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔سورۃ مریم: ۹۳

اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿ؕ۹۳﴾

(ترجمہ) نہیں کوئی جو آسمان میں ہے اور زمین میں، مگر رحمٰن کے (حضور) بندہ ہو کر آتا ہو۔

دوسرے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کے ذریعے وقتاً فوقتاً انسانوں کو ہدایت فرماتا ہے۔اور تیسرے یہ کہ اگر اللہ چاہے تو عوام الناس کو بلاواسطہ بھی ہدایت پہونچا سکتا ہے!

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تمام عنایات میں سب سے اہم ہدایت ہے جس کے بغیر انسان اور دنیا کی کوئی بھی شے اپنا کام ٹھیک طور پر انجام نہیں دے سکتی۔اگر اللہ تعالیٰ اپنی پیدا کردہ تمام

چیزوں کو ہدایت کا راستہ نہ دکھاتا تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ اسی لئے یہ ثابت ہوا کہ ہر چیز اللہ کی ہدایت کی محتاج ہے۔

انسان اللہ سے سیدھے راستے پر چلنے کی دعا کیوں مانگتے ہیں؟ علاوہ ازیں تمام انبیاء علیہم السلام تو ہدایت یافتہ تھے اور سیدھے راستے پر چلنے والے تھے۔ اس کے باوجود وہ بھی اللہ سے سیدھے راستے پر چلنے کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ آخر کیوں؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اور زیادہ ہدایت یاب کرسکتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ تمام انسانوں کی طرح انبیاء علیہم السلام بھی مزید ہدایت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے قریب تر ہو جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر فتح مکہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سورۃ الفتح میں فرماتا ہے۔ سورۃ فتح آیت ۲

وَ یَهۡدِیَكَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ۙ﴿۲﴾

ترجمہ (اس فتح کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ) اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سیدھا راستہ دکھائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے تمام انبیاء علیہم السلام اسی صراط مستقیم پر چلنے کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔

صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ ۙ۬

(ترجمہ) اُن لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے اپنا انعام کیا۔

یہ نیک لوگ کون ہیں اور کہاں ہیں؟ ان نیک لوگوں کی تفصیل سورۃ النساء کی آیت نمبر ۶۹ میں کی گئی ہے۔ ”اور جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے راستے پر چلے گا تو اللہ تعالیٰ ان کا معاملہ پیغمبروں، صدیقوں، سچ بولنے والوں، شہداء اور متقی لوگوں کے ساتھ فرمائے گا۔“

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ہم اللہ سے یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ آپ ہمیں صرف کسی خاص پیغمبر یا قرآن حکیم میں دیئے گئے احکامات کی روشنی کی ہدایت فرما بلکہ دعا یہ ہے کہ ہمیں نیک لوگوں کے راستے پر چلا جو ہر دور میں موجود رہتے ہیں۔ پس ہمارے لئے متقی لوگوں

کی پیروی اور صحبت بہت اہم ہے۔ اردو کے کسی شاعر نے نیک لوگوں کی صحبت کی اہمیت کے بارے میں کہا۔

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں

آدمی آدمی بناتے ہیں

ایک بار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا ''میری امت کے ۷۳ فرقے ہوں گے جن میں سے ایک ہدایت یافتہ جنت میں جائے گا۔'' کسی صحابیؓ نے پوچھا وہ کونسا فرقہ ہوگا؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جو میری اور میرے صحابہؓ کی اتباع کرے گا۔''

کچھ مسلمانوں نے صرف قرآن حکیم سے ہدایت حاصل کی، اور متقی لوگوں کی صحبت سے دور رہے۔ وہ لوگ یہ بھول گئے کہ اللہ نے انسان کی ہدایت کے لئے ہر دور میں پیغمبر بھیجے جن کی صحبت نے لوگوں کو سیدھے راستے پر گامزن کیا۔

دنیاوی طور پر بھی ڈاکٹری کا کورس کرنے کے لئے صرف کتابیں کافی نہیں ہیں، اس کے لئے تعلیم یافتہ اور تجربہ کار اساتذہ کرام کی ضرورت ہوتی ہے۔

کچھ دیگر مسلمانوں نے صرف متقی لوگوں کو اپنا رہبر بنایا اور قرآن کی تعلیمات کو فراموش کر دیا اس لئے ان میں آپس میں نااتفاقی پیدا ہوگئی۔

دراصل ہمیں قرآن حکیم کی ہدایت کے ساتھ ساتھ متقی اور پرہیزگار لوگوں کی صحبت کی بھی ضرورت ہے۔ جو ہر دور میں موجود رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت کے لئے ان لوگوں کی اتباع کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

یک زمانہ صحبتے با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاقت بے ریا

یعنی اولیاء کی صحبت میں ایک لمحہ گزارنا سو سالہ بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔

آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایسے لوگوں کی راہ پر نہ چلائے جن

پر اُس کا غضب نازل ہوا۔ اور نہ ہی ایسے لوگوں کی راہ پر چلائے جو سیدھے راستے سے بھٹک کر گمراہ ہوگئے!

صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے نماز کو اپنے بندوں اور اپنے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر لیا ہے۔ تب اللہ کہتا ہے کہ جو کچھ میرے بندے مجھ سے طلب کرتے ہیں میں انہیں بخش دیتا ہوں۔

جب بندہ یہ کہتا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٢ — تب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری حمد کی۔

جب بندہ یہ کہتا ہے

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٣ — تب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری تعریف کی

جب بندہ یہ کہتا ہے

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝٤ — تب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔

جب بندہ یہ کہتا ہے

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝٥ — تب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری حمد وثناء کی اور دعا و درخواست بھی۔

پس جب بندہ کہتا ہے

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝٦ — اور سورۃ فاتحہ کے آخر تک پڑھنا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت عطا فرما دیتے ہیں۔

لہٰذا سورۃ فاتحہ اللہ کی تعریف میں نازل ہوئی ہے اور سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت طلب کرنے کا بہترین طریقہ ہے! باقی پورے قرآن میں اللہ اسی صراطِ مستقیم کی وضاحت،

ہدایت اور رہبری فرماتے ہیں۔

ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے ہمیں سورۃ الفاتحہ کے ذریعے اللہ نے اپنی تعریف کا طریقہ سکھایا اور اُس سے کیا مانگنا ہے اور کس طرح مانگنا ہے؟ بھی سکھایا۔ جنت میں پہنچ کر بھی لوگ یہی کلمہ یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہیں گے۔سورۃ الزمر: ۷۵

وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾

(ترجمہ) اورتم فرشتوں کوعرش کے اردگرد حلقہ بنائے ہوئے دیکھو گے، وہ اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ تسبیح کررہے ہوں گے۔ اورلوگوں کے درمیان ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ چکا دیا جائے گا اور پکارا جائے گا (ہرطرف) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا میں ہی اس کلمہ مبارک سے روشناس کرا دیا۔ پس اس مضمون کے آخر میں میں یہی عرض کرتا ہوں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

# جنگ بدر

مسلمانوں کو مکہ مکرمہ میں تیرہ سال کے طویل عرصہ تک ہر قسم کے مظالم اور تکالیف کا سامنا کرنے کے باوجود جوابی کارروائی کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں تک کہ کافروں نے مسلمانوں کو ان کے گھروں تک سے نکال باہر کیا اور مسلمان طوعاً وکرہاً یہ بھی برداشت کر گئے۔ بالآخر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی مکہ مکرمہ سے مدینہ ہجرت کرنی پڑی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کرنے کے بعد مدینہ منورہ کے غیر مسلموں سے معاہدے کئے اور اس طرح ایک اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی!

جنگ بدر اسلام کی پہلی جنگ ہے، جس میں دشمن تعداد میں مومنین سے تین گناہ زیادہ تھے، مسلم فوج میں صرف ۳۱۳ سپاہی، ستر اونٹ، دو گھوڑے، اور آٹھ تلواریں تھیں۔ اس سفر کے دوران سواری کے جانور کم تھے مثلاً اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابولبابہؓ اور حضرت علیؓ باری باری ایک اونٹ پر سوار ہوتے جبکہ باقی دو پیدل چلتے۔

دشمنوں کی فوج میں سر سے پیر تک زدہ بکتر سے لیس ایک ہزار سپاہی تھے۔ جن کے پاس سات سو اونٹ اور سو گھوڑے تھے۔ دونوں فوجیں بدر کے مقام پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئیں۔

آیئے ہم جنگ سے پہلے، جنگ کے دوران اور جنگ کے بعد کے چند واقعات کا جائزہ لیں جن سے ہمیں کئی سبق حاصل ہوں گے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پریشان کن حالات میں اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی۔

''اے اللہ اگر آج تیرے ان مٹھی بھر نام لیواؤں کو شکست ہوگئی تو پھر قیامت تک دنیا میں تیرا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہے گا۔ اے میرے اللہ میں تجھی سے اور صرف تجھی سے مدد کا طالب ہوں۔ دستِ غیب سے ہماری مدد فرما''۔ سورۃ الانفال: ۹۔۱۰

اِذۡ تَسۡتَغِیۡثُوۡنَ رَبَّکُمۡ فَاسۡتَجَابَ لَکُمۡ اَنِّیۡ مُمِدُّکُمۡ بِاَلۡفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ
مُرۡدِفِیۡنَ ﴿۹﴾ وَ مَا جَعَلَہُ اللّٰہُ اِلَّا بُشۡرٰی وَ لِتَطۡمَئِنَّ بِہٖ قُلُوۡبُکُمۡ ۚ وَ مَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ
عِنۡدِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ﴿۱۰﴾

(ترجمہ) جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کرتے تھے تو اُس نے تمہاری دُعا قبول کر لی (اور فرمایا) کہ (تسلی رکھو) ہم ہزار فرشتوں سے جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جائیں گے تمہاری مدد کریں گے، اور اس مدد کو اللہ نے محض بشارت بنایا تھا کہ تمہارے دل اس سے اطمینان حاصل کریں اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اللہ نے اپنے فرشتوں کے ذریعے مومنین کی امداد کا اعلان فرمایا۔ اور وہ اس لئے تا کہ مومنین کے دلوں کو سکون اور اطمینان حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یاد رکھو کہ یہ مدد فرشتے نہیں کر رہے بلکہ میں خود کر رہا ہوں۔ کیونکہ مدد تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ فرشتے تو اس نے فقط مومنین کے اطمینان قلب کے لئے بھیجے تھے۔ اللہ نے فرشتوں کو کوئی کام کرنے کا حکم دیا۔ سورۃ الانفال: ۱۲

اِذۡ یُوۡحِیۡ رَبُّکَ اِلَی الۡمَلٰٓئِکَۃِ اَنِّیۡ مَعَکُمۡ فَثَبِّتُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ سَاُلۡقِیۡ فِیۡ
قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا الرُّعۡبَ فَاضۡرِبُوۡا فَوۡقَ الۡاَعۡنَاقِ وَ اضۡرِبُوۡا مِنۡہُمۡ کُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾

(ترجمہ) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں کو ارشاد فرمایا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مومنوں کو تسلی دو کہ ثابت قدم رہیں۔ میں ابھی کافروں کے دلوں میں رعب وہیبت ڈالے دیتا ہوں، تم اُن کی گردنوں پر ضرب لگاؤ اور ان کے ایک ایک پُور پر ضرب لگاؤ۔

اس آیت سے واضح ہے کہ فرشتوں نے نہ صرف مومنوں کی حوصلہ افزائی اکی کی اور ان کے قدم جما دیے۔ بلکہ خود بھی مسلمانوں کی طرف سے باقاعدہ جنگ میں حصہ لیا۔ ابو داؤد مزنیؓ اور سہیل بن حنیفؓ بیان فرماتے ہیں کہ بدر کی جنگ کے دوران ہماری تلواریں کافروں کی گردنوں تک پہونچنے بھی نہ پاتی تھیں کہ ان کی گردنیں کٹ کر جسم سے الگ ہو جایا کرتی تھیں۔ دراصل کافروں کی گردنیں فرشتے کاٹ رہے تھے۔ سورۃ الانفال: ۵۰

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ۚ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾

(ترجمہ) اور کاش تم اس وقت (کی کیفیت) دیکھتے جب فرشتے کافروں کی جانیں نکال رہے تھے اور اُن کے مونہوں اور پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے وغیرہ) مارتے (تھے اور کہتے تھے) کہ (اب) جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو۔

اس آیت سے ہمیں معلوم ہوا کہ جب بھی فرشتے کسی کافر کی روح قبض کرتے ہیں تو وہ ان کافروں کو سزا کے طور پر ان کے منہ اور پشت پر آگ میں دہکا کر سرخ کی ہوئی لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں سے ان کو بُری طرح مارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۵۱ میں فرماتا ہے ''یہ ان کافروں کی بداعمالیوں کی سزا ہے جس کا وہ دنیا میں ارتکاب کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ بذات خود ان کافروں پر کوئی ظلم نہیں کرنا چاہتا۔'' اللہ تعالیٰ سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۱۴ میں فرماتا ہے ''ابھی فی الحال اپنی بداعمالیوں کا مزا چکھو، قیامت کے دن اس سے بڑی سزا تمہاری منتظر ہے''۔ یہ پڑھ کر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ سکرات الموت کے وقت کافروں کو انتہائی دردناک تکلیف سے گزرنا پڑتا ہے۔ انہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نافرمانی کے طور پر سزا دی جاتی ہے۔ جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اس کے لئے ایسی ہی دردناک سزا ہے۔

جنگ بدر شروع ہونے سے پہلے بھی کئی معجزات رونما ہوئے۔ مثال کے طور پر جنگ سے پہلے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک خواب دیکھا۔ سورۃ الانفال: ۴۳

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَ لَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾

(ترجمہ) اس وقت اللہ نے تمہیں خواب میں کافروں کو تھوڑی تعداد میں دکھایا۔ اور اگر بہت کر کے دکھاتا تو تم لوگ جی چھوڑ دیتے اور (جو) کام (درپیش تھا اُس) میں تم جھگڑنے لگتے لیکن اللہ نے (تمہیں اس سے) بچالیا، بیشک وہ سینوں کی باتوں تک سے واقف ہے۔

حالانکہ دشمنانِ اسلام کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے خواب میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ تعداد کم کر کے دکھائی، اگر اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمنوں کی تعداد زیادہ بتاتا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بات اپنے صحابہ کرامؓ کو بتا دیتے تو مسلمانوں میں شدید اختلاف ہو جاتا اور اختلاف ہر حالت میں نقصان دہ ہوتا ہے۔ خصوصاً میدان جنگ میں اور بھی زیادہ مضر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح معجزانہ طور پر مسلمانوں کو اختلاف سے بچا لیا۔

اسی طرح جنگ کے دوران ایک اور معجزہ رونما ہوا۔ سورۃ الانفال: ۴۴

وَ اِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾

(ترجمہ) اور اس وقت جب تم ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو کافروں کو تمہاری نظروں میں تھوڑا کر کے دکھاتا تھا اور تم کو ان کی نگاہوں میں تھوڑا کر کے دکھاتا تھا تا کہ اللہ کو جو کام کرنا منظور تھا اُسے کر ڈالے، اور سب کاموں کا رجُوع اللہ ہی کی طرف ہے۔

مسلمانوں نے میدان جنگ میں اس معجزے کا مشاہدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کے دوران دشمن کی تعداد کم کر کے دکھائی، جس سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوئے۔ اور کافروں کی نگاہ میں مسلمانوں کی تعداد کم کر کے دکھانے میں اللہ تعالیٰ کی منشا یہ تھی کہ کافر مسلمانوں کو تعداد میں کم اور کمزور جان کر سامنے آئیں اور قتل کئے جائیں۔ اور اپنی سزا کا مزا چکھیں۔ دورانِ جنگ ایک اور دلچسپ واقعہ رونما ہوا۔

شیطان نے قبیلہ بنو بکر کے ایک طاقتور سردار سراقہ بن مالک کا بھیس بدلا اور کافروں کے ساتھ مل گیا اور یہ کہہ کر کافروں کی حوصلہ افزائی کرنے لگا کہ آج دنیا کا کوئی انسان تمہیں نقصان نہیں پہونچا سکتا، کیونکہ آج میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ جب شیطان نے مسلمانوں کی فوج دیکھی تو وہ یہ کہتا ہوا الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا کہ مجھے تم سے (کافروں سے) کچھ واسطہ نہیں ہے۔ سورۃ الانفال: ۴۸

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ

جَآءٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾

(ترجمہ) اور جب شیطان نے ان کے اعمال ان کو آراستہ کر کے دکھایا اور کہا کہ آج کے دن لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہ ہوگا اور میں تمہارا رفیق ہوں (لیکن) جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل (صف آرا) ہوئیں تو پسپا ہوکر چل دیا اور کہنے لگا کہ مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں تو ایسی چیزیں دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ مجھے تو اللہ سے ڈر لگتا ہے۔ اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

جنگ بدر میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فاتحین بدر کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ سورۃ الانفال: ۱۷

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾

(ترجمہ) تم لوگوں نے ان (کفار) کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا۔ اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جس وقت تم نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔ اس سے یہ غرض تھا کہ مومنوں کو اپنے (احسانوں) سے اچھی طرح آزما لے بیشک اللہ سنتا جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ سے فرما رہا ہے کہ تم یہ خیال ہرگز نہ کرنا کہ یہ جنگ تم نے جیتی ہے۔ فتح وکامرانی صرف اللہ کی طرف سے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو یہ یاد دہانی بھی کروا رہا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ مٹی اور کنکر اپنی مٹھی میں لیکر دشمنوں کی طرف پھینکے تو یہ مٹی اور کنکریاں ہوا کے زور سے طوفان گردوباد میں تبدیل ہوگئی۔ دشمنانِ اسلام کی آنکھوں میں پڑ گئی اور وہ بدحواسی میں میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ مٹھی بھر مٹی اللہ تعالیٰ کے حکم اور مدد سے طوفان میں تبدیل ہوئی۔ پس جنگ میں فتح صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی مدد سے حاصل ہوئی ہے نہ کہ مجاہدین کی ذاتی صلاحیتوں سے۔ سوچئے اس کامیابی پر

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی فخر نہیں کر سکتے۔

جنگ ختم ہوتے ہی مسلم فوج تین گروہوں میں بٹ گئی ایک گروہ وہ جس نے بھاگتے ہوئے دشمن کا دور تک پیچھا کیا۔ دوسرا گروہ میدان جنگ میں دشمن کے چھوڑے ہوئے مالِ غنیمت کو جمع کرنے میں لگ گیا اور تیسرا گروہ جس نے حفاظت کی خاطر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گرد دائرہ بنالیا، تا کہ خدانخواستہ کہیں چھپا ہوا کوئی دشمن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر وار نہ کر سکے۔

جب سب لوگ شام کو ایک جگہ جمع ہوئے تو دن میں جمع کئے گئے دشمن کے مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوا۔ جن لوگوں نے یہ مال جمع کیا تھا ان کا دعویٰ تھا کہ اس سارے مال پر صرف ان کا حق ہے۔ کیونکہ یہ سب انہوں نے بڑی محنت سے جمع کیا ہے۔ دوسرے گروہ والوں کا کہنا تھا کہ اس مال پر ان کا بھی حق ہے، کیونکہ اگر وہ دشمن کا پیچھا کر کے اسے نہ بھگاتے تو ان لوگوں کو مال جمع کرنے کا موقع نہ مل سکتا۔ تیسرے گروہ کا کہنا یہ تھا کہ چونکہ ہم سب سے اہم فرض انجام دے رہے تھے یعنی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے اس لئے اس مال پر ہمارا بھی حق بنتا ہے۔ عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ پر نوبت یہاں تک پہونچی کہ سب مجاہدین میں اَن بن پیدا ہوگئی کیونکہ ابھی تک مال غنیمت کے بارے میں کوئی ہدایت نازل نہیں ہوئی تھی۔ گزشتہ امتوں کے لوگوں کو مال غنیمت استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ لوگ تمام مال غنیمت ایک جگہ ڈھیر کر دیتے تھے اور اگر اس پر بجلی گر کر اسے خاک کر دیتی تو گویا اس بات کا اشارہ تھا کہ ان کا جہاد قبول کر لیا گیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں اپنے رسول کو واضح ہدایت فرمائی۔ جیسے ہی ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ مالِ غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ اللہ تعالیٰ نے خود حل فرما دیا ہے۔ تو یہ سب لوگ آپس کے تمام اختلافات فراموش کر کے پھر ایک بار شیر و شکر ہوگئے۔ حکم الٰہی کے مطابق تمام مال سب مجاہدین میں برابر برابر تقسیم کر دیا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی تھی کہ اس نے امت محمدی کو مال غنیمت استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔ اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آتے ہی کس طرح

صحابہ کرامؓ آپس کے اختلافات بھلا کر ایک ہو جایا کرتے تھے اور فی الفور اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے تھے۔

غیر مسلم مورخین کے نزدیک جنگ بدر پوری دنیائے انسانیت کی سب سے اہم جنگ ہے۔ اس ایک جنگ کے اثرات نے پوری دنیا کو متاثر کیا ہے۔ اس سے اسلامی ریاست کو تقویت اور فروغ ملا اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے کفار کو شکستِ فاش ہوئی۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ جنگ بدر کے دوران کتنے معجزے رونما ہوئے اور کس طرح اللہ کے سچے اور مخلص بندوں کو اللہ تعالیٰ کی تائید اور امداد حاصل ہوئی۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر گامزن ہوں تاکہ ہمیں بھی مشکل حالات میں تائید اور امداد غیبی حاصل ہو سکے۔ (آمین ثم آمین)

# حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اکثر لوگ جادو کرنے اور کرانے میں ملوث تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نو معجزے عطا فرمائے جن کا مقصد عوام کے دل ودماغ میں اللہ کی وحدانیت اور اس کے لامحدود اختیارات کا سکہ بٹھانا تھا۔ ان میں سے دو معجزے بہت مشہور ہیں جبکہ باقی سات معجزات اکثر بھلا دیئے جاتے ہیں۔

ان دلچسپ واقعات کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ معجزے اور جادو کے درمیان فرق واضح کر دیا جائے۔ معجزہ انسانی عقل وفہم سے بالاتر چیز ہے۔ ایک عام انسان معجزہ نہیں دکھا سکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے ذریعہ اپنے معجزات کا مظاہرہ کرتا ہے۔ معجزے کی دیگر خصوصیات یہ ہیں۔ جن لوگوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے معجزات کا ظہور فرماتا ہے وہ اعلیٰ اخلاق کے حامل ہوتے ہیں۔ وہ یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ یہ معجزہ ان کی ذاتی صلاحیتوں کے باعث رونما ہوا ہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی طاقت وقوت کا مظہر ہے۔ انبیائے کرام معجزہ دکھانے پر اتراتے نہیں۔ نہ ہی کسی قسم کے انعام، پیسے یا شہرت کے خواہاں ہوتے ہیں۔ معجزہ بیک وقت سب لوگ دیکھ سکتے ہیں جبکہ جادو چند لوگوں کو وقتی طور پر دھوکہ دینے کے لئے ہوتا ہے۔

اس کے برعکس جادوگروں کا کوئی کردار نہیں ہوتا۔ یہ جھوٹے لوگ سستی شہرت اور مالی منافع پر یقین رکھنے والے لالچی اور خود غرض لوگ ہوتے ہیں۔ یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ کسی نبی کے معجزے کو نہ ماننے والے افراد بھی اس نبی کے کردار اور ذاتی شرافت کا اقرار کرتے ہیں۔

جادو صرف نظر کے دھوکے کا نام ہے، جسے بہت آسانی سے بے اثر کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ معجزہ کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رونما ہوتا ہے۔ سورۃ الانفال: ۱۷

وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ

(ترجمہ) اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جس وقت تم نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔

جنگ بدر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مٹھی بھر خاک دُشمن کی طرف پھینکی۔ یہ خاک ایک طوفان میں بدل گئی جس نے دشمنوں کی فوج کی صفوں کو درہم برہم کر دیا اور جنگ بدر میں کافروں کو شکست فاش کا منہ دیکھنا پڑا۔ جبکہ کافروں کے مقابلہ میں مسلمان تعداد میں بہت کم تھے۔

جادو ہمیشہ مالی فائدے کے لئے دکھایا جاتا ہے۔ جادو کے ذریعہ انسانوں کے بیچ نفرت پیدا کی جاسکتی ہے۔ یہاں تک کہ میاں بیوی کے درمیان بھی لڑائی جھگڑا کروایا جاسکتا ہے۔ جادو کا استعمال ہمیشہ نقصان دہ ہوتا ہے۔

آیئے اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ دیکھیں۔ آپ جب بھی اپنا سیدھا ہاتھ بغل میں ڈال کر باہر نکالتے تھے تو وہ چمکنے لگتا تھا۔ اس کی وجہ کوئی مرض یا بیماری (نعوذ باللہ) نہیں تھی۔ جب دوبارہ بغل میں ڈالتے تھے تو آپ کا ہاتھ اصل شکل میں لوٹ آتا تھا۔

فرعون نے اپنے تمام بڑے بڑے جادوگروں کو بلایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تشریف لائے۔ جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا ''پہلے آپ جادو دکھاتے ہیں یا ہم دکھائیں''؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا ''پہلے تم!'' جادوگروں نے چند رسیاں زمین پر پھینکی جو جادو سے سانپ بن گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر پھینکا، جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے معجزے کے طور پر ایک بہت بڑا اژدھا بن گیا، جس نے ان تمام چھوٹے سانپوں کو نگل لیا۔ یہ دیکھ کر وہاں موجود تمام جادوگروں نے اسلام قبول کرلیا۔ فرعون نے ان نومسلم جادوگروں سے کہا سورۃ الاعراف: ۱۲۴۔۱۲۵

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

(ترجمہ) میں (پہلے تو) تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسرے طرف کے پاؤں کٹوا دوں گا۔ پھر تم سب کو سُولی چڑھوا دُوں گا، وہ بولے کہ ہم تو اپنے پروردگار کی طرف لَوٹ کر جانے والے ہیں۔

اس موقع پر نومسلموں نے ایک بڑی ہی جامع دعا مانگی۔ سورۃ الاعراف: ۱۲۶

رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۱۲۶﴾

(ترجمہ) اے پروردگار ہم پر صبر واستقامت کے دہانے کھولدے اور ہمیں ماریو تو مسلمان۔

اس جامع دعا پر غور فرمایئے معجزے کے اثر سے کافر جادوگر چند لمحوں میں ولی اللہ بن گئے۔ سبحان اللہ!

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر میں بیس سال تک تبلیغ فرمائی! یکے بعد دیگرے کفار حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیئے گئے اپنے تمام وعدوں سے مکرتے رہے۔ ایک بار سخت قحط پڑا۔ اناج اور پھل بالکل ختم ہو گئے۔ لوگ بھوکے مرنے لگے۔ کفار بھاگ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور وعدہ کیا کہ اگر آپ اپنے اللہ سے دعا کر کے ہم پر سے یہ آفت ٹال دیں تو ہم آپ کے خدائے واحد پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دعا فرمائی۔ قحط ختم ہو گیا۔ مگر کفار اپنے کیئے ہوئے وعدے سے صاف مکر گئے۔ پھر اللہ نے سزا کے طور پر طوفان نازل کیا۔ کافروں نے اسلام قبول کرنے کا پھر وعدہ کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی، طوفان ختم ہو گیا۔ مگر کفار نے پھر وعدہ خلافی کی۔ بارش کی وجہ سے فصل بھی اچھی ہوئی جسے دیکھ کر کافر خوش ہو گئے اور اپنا وعدہ وفا نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ٹڈی دل بھیجا جس نے تمام کھڑی فصل کو کھانا شروع کر دیا۔ ایک بار پھر کافروں نے وعدہ کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے یہ بلا بھی دور ہو گئی۔ کافر ایک بار پھر اپنے وعدے سے پھر گئے۔ اور بہت سارا اناج جمع کر لیا۔ تب اللہ نے عذاب کے طور پر اناج میں گھن پیدا کر دیا۔ کافروں نے پھر وعدہ کیا کہ اس بار اگر آفت ٹل گئی تو وہ واقعی مسلمان ہو جائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان پر رحم آ گیا۔ آپ نے دعا فرمائی۔ آفت جاتی

رہی۔ لیکن کافروں کا وعدہ بھی جاتا رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان گنت مینڈک پیدا کر دیئے۔ جو ان کے گھروں، پکانے کے برتنوں، خوراک اور پانی میں جمع ہو گئے۔ اس مصیبت سے عاجز آ کر کفار نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر وعدہ کیا۔ رحم دل حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار پھر دعا فرمائی۔ مصیبت پھر ٹل گئی۔ کافر پھر اپنے وعدے سے مکر کر کہنے لگے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام واقعی ایک بہت ہی ماہر جادوگر ہیں (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے ان پر خون کا عذاب نازل کیا۔ جب یہ کافر کنویں سے پانی حاصل کرتے تو وہ خون میں تبدیل ہو جاتا۔ جب وہ کوئی چیز پکانے کی کوشش کرتے تو وہ خون بن جاتا۔ یہ عذاب صرف کفار کے گھروں میں رونما ہوتا۔ یہاں تک کہ اگر کافر لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں سے پانی ادھار مانگتے تو وہ بھی کفار کے استعمال کرنے پر خون بن جاتا۔ کافروں نے پھر جھوٹے وعدے کئے۔ اب لگاتار عذابِ الٰہی نازل ہونا شروع ہوا، کبھی پلیگ (طاعون) تو کبھی ہیضہ، تو کبھی چیچک۔ ان تمام مصیبتوں سے تنگ آ کر کافروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو اپنے گھروں سے نکل کر دریائے نیل کے کنارے پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اپنا عصا دریائے نیل کے پانی پر مارا۔ اللہ تعالیٰ نے دریا میں راستہ پیدا فرما دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بحفاظت اپنی پوری قوم کے ساتھ دوسری طرف پہنچ گئے۔ فرعون اور اس کی پوری فوج نے بھی یہی راستہ اپنایا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے پانی آپس میں مل گیا اور فرعون اپنی فوج سمیت دریا میں غرقِ ہو گیا۔

مورّخین کے مطابق قحط سات برس تک جاری رہا۔ اور دیگر چھوٹے بڑے عذاب بھی ہفتوں تک جاری رہے۔ ہر عذاب کے بعد درمیان میں کافروں کو راہِ راست پر آنے کے لئے تین ہفتے مہلت دی گئی مگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے۔ سورۃ الاعراف: ۱۳۰ تا ۱۳۳

وَ لَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ
یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا
بِمُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓىٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَ
قَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰیَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ

الطُّوۡفَانَ وَالۡجَرَادَ وَالۡقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۟ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَ كَانُوۡا قَوۡمًا مُّجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۳۳﴾

(ترجمہ) اور ہم نے فرعونیوں کو قحطوں اور میووں کے نقصان میں پکڑا تا کہ نصیحت حاصل کریں۔تو جب ان کو آسائش حاصل ہوتی تو کہتے کہ ہم اس کے مستحق ہیں۔ اور اگر سختی پہنچتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے رفیقوں کی بدشگونی بتاتے دیکھو اُن کی بدشگونی اللہ کے ہاں (مقدر) ہے، لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے، اور کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس (خواہ) کوئی ہی نشانی لے آؤ یا اس سے ہم پر جادو کرو۔ مگر ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں،تو ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون کتنی کھلی ہوئی نشانیاں بھیجیں۔ مگر وہ تکبر ہی کرتے رہے، اور وہ لوگ تھے ہی گنہگار۔

اس خطبہ سے ہم مندرجہ ذیل کئی نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ عادی اور پختہ کار مجرموں کو بھی راہِ راست دکھانا چاہتا ہے۔ اللہ بار بار معاف فرماتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو انتہا سے زیادہ صبر واستقلال کا مادّہ عطا فرماتا ہے۔ آرام وآسائش میں ہمیں اللہ تعالیٰ کا اور زیادہ شکر گزار ہونا چاہیئے نہ کہ لاپرواہ اور نکتہ چین۔

پس جن لوگوں کو ہدایت ملی ہے۔ انہیں اللہ کا بے حد شکر ادا کرنا چاہیئے۔ یاد رہے کہ ہمارے پاس ایک زندہ معجزہ موجود ہے۔ یعنی قرآن حکیم! ہمیں چاہیئے کہ ہم اس قرآن میں صاف صاف دکھائے گئے راستے پر چل کر اپنی دنیا اور عاقبت دونوں سنوار لیں۔

میں دعا گو ہوں کہ اللہ ہم سب پر اپنی رحمتوں کا زیادہ سے زیادہ نزول فرمائے۔

(آمین ثم آمین)

# یوم الحساب

جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں دین حق کی تبلیغ شروع فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین باتوں پر خصوصیت سے زور دیا۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ذات واحد کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ کسی کو اللہ کا شریک مت بناؤ۔ اہل مکہ کو ایک اللہ کی پرستش پر کوئی اعتراض نہیں تھا، لیکن وہ خدائے واحد کے ساتھ بہت سارے دوسرے خداؤں کی شمولیت بھی چاہتے تھے۔ لیکن یہ لوگ اپنی بات منوانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زیادہ زور نہیں ڈال سکتے تھے۔

۲۔ دوسرے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کیا ''مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنا نبی اور رسول بنا کر بھیجا ہے۔ کفار مکہ اس بات کو بھی نہیں ماننا چاہتے تھے لیکن چونکہ وہ لوگ اس حقیقت سے پوری طرح واقف تھے کہ اہل مکہ نے خود ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیانتداری، نیکی اور سچائی کو دیکھنے اور پرکھنے کے بعد آپ کو ''صادق اور امین'' کا لقب دیا۔ لہٰذا کافروں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سچے دعوے کو جھٹلانا بہت مشکل تھا۔

۳۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا ''ایک دن (قیامت کا) آنے والا ہے جس دن تم سب کو اللہ کے سامنے پیش ہو کر اپنے نیک اعمال کی جزاء اور اعمال بد کی سزا پوری دی جائے گی۔''

اس اعلان کے سنتے ہی کفار مکہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دعوے کی مخالفت کا موقع مل گیا۔ مشرکین مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا۔ سورۃ الواقعہ: ۴۷۔۴۸

وَ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَىِٕذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۴۷ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۴۸

(ترجمہ) اور کہا کرتے تھے کہ بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے اور ہڈیاں (ہی

ہڈیاں رہ گئے) تو کیا ہمیں پھر اُٹھنا ہوگا، اور کیا ہمارے باپ دادا کو بھی؟

کفار مکہ نہ صرف یہ کہ اس قسم کے سوالات کرتے تھے بلکہ حضورﷺ کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور ان کو (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ) دیوانہ اور مجنون کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بیہودہ گوئی کا جواب دیا۔ سورۃ الواقعہ: ۴۹ تا ۵۶

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَیُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَیْهِ مِنَ الْحَمِیْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِیْمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۵۶﴾

(ترجمہ) کہہ دو کہ بیشک پہلے اور پچھلے، (سب) ایک روز مقرر وقت پر جمع کئے جائیں گے، پھر تم اے جھٹلانے والو گمراہ لوگو! تھوہر کے درخت کھاؤ گے، اور اُسی سے پیٹ بھرو گے، اور اس پر کھولتا ہوا پانی پیو گے، اور پیو گے بھی تو اس طرح جیسے پیاسے اُونٹ پیتے ہیں، جزا کے دن یہ ان کی ضیافت ہوگی۔

لفظ ''نزل'' کا مطلب ابتدائی مہمان نوازی سے ہے، پس ''نزلہم'' ان کی ابتدائی مہمان نوازی ہے، اس کے بعد جو سلوک ان (کفار) کے ساتھ ہوگا وہ اور بھی زیادہ اذیت ناک ہوگا۔

اہل مکہ مزاحیہ انداز میں پوچھتے تھے۔ سورۃ ملک: ۲۵

وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾

(ترجمہ) اور کافر کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب (پُورا) ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ سورۃ الملک: ۲۶

قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۶﴾

(ترجمہ) کہہ دو کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ اور میں تو واضح طور پر متنبہ کرنے والا ہوں۔

کفار مکہ قیامت واقع ہونے والے دن کے متعلق بار بار مزاحیہ انداز میں حضورﷺ سے پوچھا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ جواباً فرماتے ہیں۔ سورۃ النباء: ۴-۵

كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾

(ترجمہ) دیکھو یہ عنقریب جان لیں گے، پھر دیکھو یہ عنقریب جان لیں گے۔

پہلی آیت کریمہ کا مطلب ہے تم عنقریب عالم برزخ میں جان لو گے۔ (یہ موت کے بعد سے شروع ہو کر قیامت واقع ہونے کا وقفہ ہے) اور دوسری آیت کریمہ کا مطلب ہے تم قیامت کے دن جان لو گے۔ وہ بھی بہت قریب ہے۔ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ ہمیں بڑی تفصیل سے آگاہ فرماتا ہے کہ اُس کے نزدیک یوم قیامت قائم کرنا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ سورۃ النباء: ۶ تا ۱۶

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ﴿۶﴾ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ﴿۷﴾ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ﴿۸﴾ وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿۹﴾ وَّ جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ﴿۱۰﴾ وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿۱۱﴾ وَّ بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿۱۲﴾ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿۱۳﴾ وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ﴿۱۵﴾ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾

(ترجمہ) کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟ اور پہاڑوں کو (اسکی) میخیں (نہیں ٹھیرایا؟)، (بیشک بنایا) اور تم کو جوڑا جوڑا بھی پیدا کیا، اور نیند کو تمہارے لئے (موجب) آرام بنایا۔ اور رات کو پردہ مقرر کیا، اور دن کو معاش (کا وقت) قرار دیا، اور تمہارے اُوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے، اور (آفتاب کا) روشن چراغ بنایا، اور پانی بھرے بادلوں سے موسلا دھار مینہ برسایا، تا کہ اس سے اناج اور سبزہ پیدا کریں، اور گھنے گھنے باغ۔

پس جب وہ مندرجہ بالا تمام باتیں انتہائی آسانی سے اور بغیر کسی کی مدد کے کرسکتا ہے تو پھر وہ قیامت کیوں قائم نہیں کرسکتا؟ بے شک وشبہ کرسکتا ہے۔ مثال کے طور پر اس نے نیند جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی ہے جس کے بعد ہم تروتازہ ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم نیند سے کنارہ کش ہونا بھی چاہیں تب بھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں سلا دیگا۔ اور غریبوں کو امیروں سے زیادہ پُرسکون نیند دے گا۔ جب اللہ تعالیٰ روز ازل سے آج کے دن تک ہم کو نیند اور ایسی ہی دیگر ان گنت نعمتیں بغیر کسی معاوضہ کے عطا کرسکتا ہے تو کیا وہ قیامت قائم نہیں کرسکتا؟ آیئے ہم روز

قیامت کے کچھ مناظر پر نظر ڈالیں۔

اللہ تعالیٰ جنت کے بارے میں فرماتا ہے۔سورۃ الطور: ۱۷ تا ۲۰

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾ فٰكِهِيْنَ بِمَاۤ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَ وَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾

(ترجمہ) جو پرہیز گار ہیں وہ باغوں اور نعمتوں میں ہونگے، جو کچھ اُن کے پروردگار نے اُن کو بخشا اس (کی وجہ) سے خوش ہوں گے اور اُن کے پروردگار نے اُن کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیا، (اب تم) اپنے اعمال کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو، تختوں پر صف بستہ تکیے لگائے ہوئے، اور بڑی بڑی آنکھوں والی حُوروں سے ہم اُن کا عقد کر دیں گے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔سورۃ الحاقۃ: ۱۹ تا ۲۴

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾ۚ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾ۚ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾ۙ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾ۙ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَاۤ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾

(ترجمہ) تو جس کا (اعمال) نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ (دوسروں سے) کہے گا کہ لیجئے میرا نامۂ (اعمال) پڑھیئے، مجھے یقین تھا کہ مجھ کو میرا حساب (کتاب) ضرور ملے گا، پس وہ (شخص) من مانی عیش میں ہوگا، (یعنی) اُونچے (اُونچے محلوں کے) باغ میں، جن کے میوے جھکے ہوئے ہونگے، جو (عمل) تم ایامِ گزشتہ میں آگے بھیج چکے ہو اس کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ اہل جنت کے بارے میں فرماتا ہے۔سورۃ یٰسین: ۵۵ تا ۵۸

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ۚ هُمْ وَ اَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ۚۖ سَلٰمٌ ۟ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ

رَّحِیۡمٍ ﴿۵۸﴾

(ترجمہ) اہل جنت اُس روز عیش ونشاط میں ہوں گے۔ وہ بھی اور اُن کی بیویاں بھی سایوں میں تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ وہاں اُن کے لئے میوے اور جو چاہیں گے (موجود ہوگا)۔ پروردگارمہربان کی طرف سے سلام (کہا جائے)۔

اس آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ اہل جنت سے پوچھے گا ''اے میرے فرمانبردار بندو بتاؤ تو تمہیں اور کیا چاہئے؟'' اللہ کے نیک بندے جواب دیں گے۔ ''پروردگار تو نے ہمیں سب کچھ تو عطا فرما دیا ہے اب ہمیں کسی اور چیز کی کوئی خواہش نہیں ہے۔'' اللہ تعالیٰ یہ جواب سن کر فرمائے گا۔ ''اے میرے بندو اب میں تمہیں وہ نعمت عظیم عطا کرنے والا ہوں جو اب تک کی دی گئی تمام نعمتوں سے اعلیٰ اور افضل ہے!'' اور پھر اللہ تعالیٰ اپنے تمام تر جلووں سمیت اہل جنت کے روبرو آجائے گا۔ اور اہل جنت کی پیاسی آنکھیں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے سیراب ہو جائیں گی! اور اللہ تعالیٰ اہل جنت کو سلام سے نوازے گا۔

برعکس اس کے اللہ تعالیٰ بدکاروں اور گناہ گاروں کو سزائیں دے گا، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ سورۃ الملک: ۶ تا ۱۰

وَ لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ عَذَابُ جَہَنَّمَ ؕ وَ بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۶﴾ اِذَاۤ اُلۡقُوۡا فِیۡہَا سَمِعُوۡا لَہَا شَہِیۡقًا وَّ ہِیَ تَفُوۡرُ ۙ﴿۷﴾ تَکَادُ تَمَیَّزُ مِنَ الۡغَیۡظِ ؕ کُلَّمَاۤ اُلۡقِیَ فِیۡہَا فَوۡجٌ سَاَلَہُمۡ خَزَنَتُہَاۤ اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَذِیۡرٌ ﴿۸﴾ قَالُوۡا بَلٰی قَدۡ جَآءَنَا نَذِیۡرٌ ۬ۙ فَکَذَّبۡنَا وَ قُلۡنَا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ مِنۡ شَیۡءٍ ۚۖ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ کَبِیۡرٍ ﴿۹﴾ وَ قَالُوۡا لَوۡ کُنَّا نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ مَا کُنَّا فِیۡۤ اَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ ﴿۱۰﴾

(ترجمہ) اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار سے انکار کیا اُن کے لئے جہنم کا عذاب ہے۔ اور وہ بُرا ٹھکانا ہے، جب وہ اُس میں ڈالے جائیں گے تو اس کا چیخنا چلانا سُنیں گے اور وہ (جہنم) جوش مار رہی ہوگی، قریب ہے کہ غضب سے پھٹ پڑے گی

جب اُس میں اُن کی جماعت ڈالی جائے گی تو دوزخ کے داروغہ اُن سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟، وہ کہیں گے کیوں نہیں ضرور ہمارے پاس یاد دہانی کرانے والا آیا تھا لیکن ہم نے اُس کو جھٹلا دیا اور کہا کہ اللہ نے تو کوئی چیز نازل ہی نہیں کی۔ تم تو بڑی گمراہی میں (پڑے ہوئے) ہو، اور کہیں گے اگر ہم سُنتے یا سمجھتے ہوتے تو دوزخیوں میں نہ ہوتے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ سورۃ الحاقۃ: ۲۵ تا ۲۹

وَ اَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ بِشِمَالِہٖ ۬ۙ فَیَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِیۡ لَمۡ اُوۡتَ کِتٰبِیَہۡ ﴿ۚ۲۵﴾ وَ لَمۡ اَدۡرِ مَا حِسَابِیَہۡ ﴿ۚ۲۶﴾ یٰلَیۡتَہَا کَانَتِ الۡقَاضِیَۃَ ﴿ۚ۲۷﴾ مَاۤ اَغۡنٰی عَنِّیۡ مَالِیَہۡ ﴿ۚ۲۸﴾ ہَلَکَ عَنِّیۡ سُلۡطٰنِیَہۡ ﴿ۚ۲۹﴾

(ترجمہ) اور جس کا نامۂ (اعمال) اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا اے کاش مجھ کو میرا نامۂ (اعمال) نہ دیا جاتا، اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے، اے کاش موت (ہمیشہ کے لئے میرا کام) تمام کر چکی ہوتی، (آج) میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا، (ہائے) میری سلطنت خاک میں مل گئی۔

اسی طرح کافروں کو سزائیں دینے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ سورۃ المدثر: ۴۰ تا ۴۸

فِیۡ جَنّٰتٍ ۟ؕ یَتَسَآءَلُوۡنَ ﴿ۙ۴۰﴾ عَنِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿ۙ۴۱﴾ مَا سَلَکَکُمۡ فِیۡ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوۡا لَمۡ نَکُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ ﴿ۙ۴۳﴾ وَ لَمۡ نَکُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡکِیۡنَ ﴿ۙ۴۴﴾ وَ کُنَّا نَخُوۡضُ مَعَ الۡخَآئِضِیۡنَ ﴿ۙ۴۵﴾ وَ کُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوۡمِ الدِّیۡنِ ﴿ۙ۴۶﴾ حَتّٰۤی اَتٰىنَا الۡیَقِیۡنُ ﴿ؕ۴۷﴾ فَمَا تَنۡفَعُہُمۡ شَفَاعَۃُ الشّٰفِعِیۡنَ ﴿ؕ۴۸﴾

(ترجمہ) وہ (نیک لوگ) باغ ہائے بہشت میں (ہونگے اور) پوچھتے ہونگے، (یعنی آگ میں جلنے والے) گنہگاروں سے، کہ تم دوزخ میں کیوں پڑے؟، وہ جواب دینگے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، اور نہ فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے، ہم بے ہودہ باتوں میں لگے رہنے والوں کے ساتھ بے ہودہ باتوں میں مشغول رہتے تھے۔ اور روز جزا کو جھٹلاتے تھے۔

یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی، پس انہیں (اس حال میں) سفارش کرنیوالوں کی سفارش کچھ فائدہ نہ دیگی۔

جنت اور دوزخ کے یہ مناظر ہمیں اس لئے دکھائے گئے ہیں کہ ہم ان سے سبق حاصل کریں۔ یاد رکھیئے کہ جنت میں داخلہ صرف ہمارے نیک اعمال نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوگا۔

میں دعا کرتا ہوں کہ پروردگار ہم سب کو مرتے وقت کلمہ شہادت نصیب فرمائے اور اپنی رحمت سے جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین یا ربّ العالمین)

## اذان کے بعد دعا کا ثواب

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے اذان سنی اور یہ دعا پڑھی:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ وَالصَّلَاۃِ الْقَآئِمَۃِ آتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَۃَ وَ الْفَضِیْلَۃَ وَ ابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ (اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ)

(ترجمہ) اے اللہ۔ اے اس مکمل دعوت اور قائم نماز کے پروردگار۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاص قرب اور خاص فضیلت عطا فرما۔ اور اس مقامِ محمود (تعریف کیئے ہوئے مقام) پر کھڑا فرما جس کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ یقیناً آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے۔

تو قیامت کے دن اسے میری شفاعت نصیب ہوگی۔ (بخاری)

نوٹ: حدیث شریف میں قوسین کے درمیان والے الفاظ امام بیہقی کی روایت سے ہیں اور اس کی سند جید ہے۔

# شک، تجسّس اور غیبت

اللہ تعالیٰ سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۱۲ میں فرماتا ہے:

**یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًاؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾**

(ترجمہ) اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں، اور ایک دوسرے کے حال کا تجسّس نہ کیا کرو، اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کریگا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے (تو غیبت نہ کرو) اور اللہ کا ڈر رکھو بیشک اللہ توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے۔

ہمیں یہاں گمان (شک و شبہات)، دوسروں کے متعلق غیرضروری کرید، اور غیبت سے دُور رہنے کی ہدایت کی جارہی ہے، آیئے ہم دیکھیں کہ شک و شبہات سے کیا مراد ہے؟ امام ابوبکر جصّاص نے اپنی کتاب ''اَحکام القرآن'' میں شک و شبہات کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔

۱۔حرام ۲۔ واجب ۳۔مستحب اور مُباح!

حرام شک کی مثال یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی بخشش، رحم اور معافی سے قطعی طور پر نا اُمید ہوکر یہ سوچنے لگے کہ بس اب تو میں کبھی بھی بخشا نہیں جاؤں گا، اللہ تعالیٰ مجھ سے کبھی راضی نہیں ہوگا، اور بس اب تو دوزخ ہی میرا ٹھکانا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

لا یموتن أحد کم الا وھو یحسن الظنّ باللہ

یعنی تم آخری دم تک اللہ تعالیٰ کی ذات سے اچھی اُمید یعنی حسنِ ظن رکّھو!

ایک حدیث قُدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أناعندظن عبدی بی (بخاری و مسلم)

یعنی میں اپنے بندے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں، جیسا وہ میرے متعلق ظن رکھتا ہو۔

واجب شک کی مثال ایسی ہے کہ جیسے فرض کیا کہ آپ بالکل اکیلے ہیں، آپ کو اس کا علم نہیں قبلہ کس طرف ہے اور کوئی بتانے والا بھی موجود نہیں ہے، تب آپ اپنی سمجھ بُوجھ کے مطابق ایک اندازے سے قبلہ کا تعین کر کے نماز ادا کر سکتے ہیں۔

مستحب شک کی مثال ایسی ہے، کہ ہر مسلمان کے بارے میں آپ کو اچھی رائے اور اچھا خیال رکھنا چاہئے! یعنی روز مرہ کے معاملات میں بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے آپ کسی بھی مسلمان کو چور یا بے ایمان نہ سمجھ لیں۔

مُباح شک کی مثال ایسی ہے کہ جیسے آپ کو کسی وجہ سے یہ یاد نہیں رہا کہ آپ نے چار رکعت نماز ادا کی ہیں یا تین رکعتیں آپ کو جتنی رکعت کی ادائیگی اپنے طور پر ٹھیک معلوم ہوتی ہے، وہی سمجھ کر نماز پُوری کر لیں۔

اب آیئے، ہم دیکھیں کہ اسلام میں کسی دوسرے کے بارے میں بلاوجہ تجسّس کرنا یا اس کی جاسوسی کرنا کیسا ہے اسلام ہمیں دوسروں کے راز کی باتیں معلوم کر کے انہیں سب کے سامنے عام کرنے کی بالکل اجازت نہیں دیتا، مثلاً اگر آپ نے چُھپ کر کسی کی کوئی بات سُن لی، یا سوتے رہنے کا بہانہ بنا کر آنکھ بند کر کے کسی کی راز کی بات سن لی یہ جائز نہیں، اس بات کی اجازت اُس وقت ہے کہ جس سے آپ کو اپنی یا اپنے کسی مسلمان بھائی کے نقصان کا خطرہ لاحق ہو۔

اب آیئے دیکھیں کہ چُغلی یا غیبت کیا ہے؟ کسی کے بارے میں کچھ بھی کہنا، جبکہ وہ موجود نہ ہو (گو آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ اُس شخص کے بارے میں سچ بھی ہو) تب بھی چغلی یا غیبت ہوگی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''کسی کے پیٹھ پیچھے اس کے بارے میں کچھ مت کہو کہ جسے سُن کر اس کو صدمہ ہو، چاہے وہ بات سچ ہی کیوں نہ ہو اور اگر وہ بات جھوٹی ہوئی، تو یہ بہتان طرازی ہوگی''، یہ بات خاص کر قابل توجّہ ہے کہ کِسی کی کمزوریاں اور غلطیاں ڈھونڈنا،

یا کسی کی غلطی یا کمزوری پر اُسے طعنہ دینا یا بدنام کرنے کی کوشش کو قرآن حکیم میں ''**لمز**'' کہا گیا ہے۔سورۃ الحجرات:۱۱

وَ لَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ

(ترجمہ) اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ۔

اس کا مطلب یہ ہُوا کہ جب تم دُوسروں پر عیب لگاؤ گے تو دُوسرے بھی تم پر عیب لگائیں گے یہ قرآن حکیم کی فصاحت وبلاغت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دُوسروں کی غلطیاں یا کمزوریاں (بُرائیاں) تلاش کرنا گویا ایسا ہی ہے جیسے تم خود ہی اپنی بُرائیاں تلاش کررہے ہو۔ اس بلاغت کی دوسری مثال یہ ہے۔سورۃ النساء:۲۹

وَ لَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ

(ترجمہ) اپنے آپ کو ہلاک مت کرو۔

مطلب یہ کہ اگر تم ِکسی دوسرے کو ہلاک کرنا چاہو گے تو وہ بھی تمہاری جان لینے کے درپے ہوگا۔عیب جوئی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔سورۃ الھمزۃ:۱

وَیۡلٌ لِّکُلِّ ہُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۣ ۙ﴿۱﴾

(ترجمہ) ہر طعنہ زن (عیب جو) کے لئے بڑی خرابی ہے۔

یہی بات بہادر شاہ ظفر نے اپنے ایک شعر میں کہی ہے:

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر رہے دیکھتے لوگوں کے عیب وہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا

چونکہ غیبت بہت بڑا گناہ ہے اس لئے اس کی مزید تفصیل پیش کرتا ہوں۔سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۱۲ میں اللہ تعالیٰ نہایت موثر انداز میں تلقین فرمارہے ہیں کہ جس طرح تمہیں اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے نفرت ہے بالکل ویسے ہی تمہیں غیبت کرنے سے بھی نفرت ہونی چاہئے۔نوٹ فرمایئے کہ اگر کسی کی بُرائی کسی کے سامنے کی جائے تو بہت ممکن ہی اُسے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا موقع مل سکے، جبکہ اگر اس کی بُرائی یا غیبت اس کی غیرموجودگی میں کی

گئی ہوتو اُس شخص کو بہت زیادہ تکلیف اور نقصان ہوسکتا ہے، غیبت صرف زبان ہی سے نہیں ہوتی بلکہ ہاتھ پاؤں اور دُوسری حرکات وسکنات سے بھی ممکن ہے، مثال کے طور پر اگر کوئی لنگڑا ہے تو اُسکی چال کی نقل اتار کر چلنا بھی غیبت میں شامل ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: الغیبت اشد من الزنا

یعنی غیبت زنا سے بھی بڑا گناہ ہے۔ (ترمذی)

ابوسعیدؓ اور جبیرؓ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی وضاحت یوں کی: زنا کے ارتکاب کے بعد اگر کوئی سچّے دل سے توبہ کر لے تو یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے، مگر غیبت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا، جب تک کہ وہ جس کی غیبت کی گئی ہے، غیبت کرنے والے کو خود معاف نہ کر دے۔ (ترمذی)

ایک بار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو قبروں کی طرف اشارہ کر کے اپنے صحابہؓ کو بتایا کہ ان دونوں پر اس وقت عذاب نازل ہورہا ہے، ایک تو وہ ہے، جو دُوسروں کی غیبت کیا کرتا تھا، اور دُوسرا وہ ہے جو پیشاب کرنے کے دوران اپنے کپڑوں اور جسم کو پیشاب سے حفاظت نہیں کرتا تھا۔ (بخاری اور مسلم)

یہی وجہ ہے کہ ایک بات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عائشہؓ سے ارشاد فرمایا کہ ہمیشہ چھوٹے چھوٹے اور معمولی گناہوں سے بچا کرو کیوں کہ یہ چھوٹے اور معمولی گناہ عذاب قبر کا باعث بنتے ہیں۔

معراج کے دَوران اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے ناخُن سُرخ تانبے کے بنے ہوئے ہیں، اور وہ لوگ ان لمبے ناخنوں سے اپنا ہی مُنہ اور سینہ نوچ رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرائیل امینؑ سے دریافت فرمایا، تو معلوم ہُوا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو دُنیا میں اپنے ہی بھائیوں کا گوشت کھایا کرتے تھے، یعنی لوگوں کے پیٹھ پیچھے اُن کی بُرائی کیا کرتے تھے، اور ان کی غیبت کیا کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ ایک مسلمان کا

اپنے مسلمان بھائی کو جان سے مارنا، اس کا مال واسباب دبا لینا، اور اس کی غیبت کرنا اسلام میں حرام ہے، (مسلم) حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک اور روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی جھوٹ بولنا نہ چھوڑے، اور رمضان میں روزے رکھ کر کھانا پینا چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اس کے روزے قبول نہیں کرے گا۔

امام غزالی احیاء العلوم میں تحریر فرماتے ہیں، کہ ایک شخص حضرت حسن بصریؒ کی غیبت کیا کرتا تھا۔ آپ نے اس آدمی کو کچھ کھجوریں اس پیغام کے ساتھ بھیجیں، کہ میری غیبت کر کے تم اپنی نیکیاں میرے نام لکھوا رہے ہو میں تمہارا بہت احسان مند ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کو جو نیکی تم میرے ساتھ کر رہے ہو یہ انعام اُس کے لئے کافی نہیں ہے۔ میری درخواست ہے کہ تم میرا یہ ادنیٰ تحفہ قبول کرلو۔

یاد رکھئے کہ ہمیں کسی بچے، یا دیوانے یا اسلامی مملکت میں رہنے والے کافر کی بھی غیبت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

مندرجہ ذیل باتیں غیبت کے دائرے میں نہیں آتیں۔

۱۔ کسی سے کسی ظالم حاکم کی شکایت کرنا تاکہ وہ اس کی باز پرس کرے۔

۲۔ کسی باپ سے اس کے بیٹے کی یا شوہر سے اس کی بیوی کی شکایت کرنا تاکہ وہ ان کی اصلاح کریں۔

۳۔ فتوے حاصل کرنے کی لئے کسی واقعہ کا تفصیل سے بیان کرنا۔

۴۔ مسلمانوں کو دین کی بنا پر دیئے گئے الزام سے بچانے کے لئے تفصیلی بیان جاری کرنا۔

۵۔ ڈاکٹر یا وکیل وغیرہ سے مشورہ حاصل کرنے کے لئے مفصل حالات بیان کرنا۔

۶۔ کسی ایسے شخص کے گناہ کو تفصیل سے بیان کرنا جو اُس نے دن دھاڑے دیدہ دانستہ کئے ہوں، اور جن کے کرنے کے بعد اُن پر کھلّم کھلاّ فخر کا اظہار کیا ہو۔

واضح رہے کہ مندرجہ بالا تمام باتیں کسی ضرورت کے تحت بیان کی جاتی ہیں۔ ان باتوں

کے بیان کرنے سے کسی کی بے عزتی کرنا مقصود نہیں ہوتا۔

علاوہ ازیں کسی کو کسی کی غیبت کرتے ہوئے سن لینا بھی گویا غیبت کے برابر ہے۔ ایسے مقام سے دور چلے جانا چاہیے۔ غیبت بیک وقت حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پامال کرتی ہے۔ اس لئے جس کی غیبت کی گئی ہے اس سے معافی طلب کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ جب تک وہ شخص معاف نہیں کرتا، اُس وقت تک اللہ تعالیٰ بھی معاف نہیں فرمائے گا۔ اگر وہ شخص زندہ نہیں ہے یا لاپتہ ہے، تو پھر قصاص دینا ہوگا۔ اس سلسلہ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''غیبت کرنے والا اپنے اور غیبت کئے گئے شخص کے گناہوں کی معافی اللہ تعالیٰ سے طلب کرے۔''

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شک وشبہ، بے جا تجسّس اور غیبت جیسی بُری عادتوں سے بچائے۔ (آمین)

# چھوٹے اور بڑے گناہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔سورۃ النساء: ۳۱

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا کَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَنُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا ﴿۳۱﴾

(ترجمہ) اگرتم بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تم کومنع کیا جاتا ہے اجتناب کرو گے تو ہم تمہارے (چھوٹے چھوٹے) گناہ معاف کر دینگے اور تمہیں عزت کے مکانوں میں داخل کرینگے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ گناہ دوطرح کے ہوتے ہیں:

۱۔گناہ کبیرہ ۲۔گناہ صغیرہ

اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی قابل ستائش ہے یہ کہ اگرتم بڑے گناہوں سے بچے رہو گے، تو ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔ گو ہر فرض کی ادائیگی لازم ہے، جیسے پانچ وقت کی نماز، رمضان کے روزے، زکوٰۃ اور حج۔ ان میں سے کسی ایک کا چھوڑنا اپنے آپ میں گناہ عظیم ہے۔ پس اگر کوئی بندہ فرض پوری طرح ادا کرتا ہے، اور پھر گناہ کبیرہ سے بھی بچا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ صغیرہ (چھوٹے گناہ) معاف فرما دے گا۔گناہ کیا ہے؟ چھوٹا گناہ کیا ہے؟۔ بڑا گناہ کیا ہے؟ ہر وہ کام، جو اللہ کی مرضی اور حکم کے خلاف کیا گیا ہو گناہ ہے۔ اس نقطۂ نظر سے نہ کوئی گناہ چھوٹا ہے۔ نہ بڑا۔ گناہ بس گناہ ہے۔ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔

کلّ ما نهی عنه فهو کبیرة

یعنی ہر وہ حرکت جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہو بڑا گناہ ہے۔ اس لئے کوئی معمولی گناہ اگر باربار کیا جاتا رہے، تو وہ جلد ہی ایک بڑے گناہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ایک عالم

دین بڑے چھوٹے گناہ کو ایک مثال کے ذریعے اس طرح سمجھاتے ہیں۔ کہ اگر آپ کو ایک چھوٹا بچھو کاٹتا ہے (ڈنک مارتا ہے) تو آپ کو تکلیف کم ہوگی۔ لیکن اگر بڑا اور زیادہ زہریلا بچھو آپ کو ڈنک مارتا ہے۔ تو آپ کو زیادہ تکلیف ہوگی۔ اسی طرح اگر آپ چھوٹی آگ سے جلیں گے، تو جلن اور تکلیف کم ہوگی۔ اگر بڑی آگ سے جلیں گے تو تکلیف اور جلن زیادہ ہوگی۔ پس دونوں طرح کے گناہ نقصان دہ ہیں۔ چھوٹے گناہوں کی سزا کم ہوگی، بڑے گناہوں کی سزا زیادہ ہوگی! محمد بن کعب قرظیؒ فرماتے ہیں: اللہ کی بہترین عبادت یہ ہے کہ آپ ہر طرح کے گناہوں سے بچے رہیں، جب تک بندہ اپنے آپ کو تمام گناہوں سے پوری طرح نہیں بچاتا اللہ تعالیٰ اس بندے کی کوئی بھی عبادت قبول نہیں کرتا۔ اسی طرح فُضیل بن ایازؒ فرماتے ہیں کہ بندہ جس گُناہ کو معمولی یا چھوٹا خیال کرے گا، اللہ کی نظروں میں وہ گُناہ اتنا ہی بڑا ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے: ''جب کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے، تو اس کے دل پر ایک داغ لگ جاتا ہے۔ جب وہ اُس گناہ سے توبہ کر لیتا ہے تو وہ داغ مٹ جاتا ہے۔ اور اگر وہ اس گناہ سے توبہ نہیں کرتا، تو یہ داغ بڑھتے بڑھتے اُس کے پورے دل کو سیاہ کر دیتا ہے۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورۃ مطففین: ۱۴

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

(ترجمہ) دیکھو یہ جو (اعمالِ بد) کرتے ہو۔ اُن کا اِن کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔

جب پُورے کا پُورا دل زنگ آلود ہو جاتا ہے تو پھر اس قسم کے لوگوں پر قرآن کی تعلیمات کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ قرآن میں یہ بات بار بار دُہرائی گئی ہے، کہ یہ قرآن تو ایسے لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل کیا گیا ہے، جو اللہ سے خوف کھاتے ہوئے اس کتاب میں درج ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔

آیئے ہم دیکھیں کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں گناہ کبیرہ کیا ہیں، علماء کے قول کے مطابق ہر وہ بُرا عمل گناہ کبیرہ ہے، جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی سزا تجویز کر رکھی ہے۔ یا اللہ تعالیٰ نے گناہ کرنے والے پر لعنت بھیجی ہے یا اس عمل کی سزا جہنم بیان فرمائی ہے جیسا کہ

پہلے بتایا جاچکا ہے کہ ایک معمولی گناہ بھی اگر بار بار بغیر کسی شرم وحیاء کے دہرایا جاتا رہے، تو وہ ایک گناہ کبیرہ میں بدل جاتا ہے۔ کسی نے ابن عباسؓ سے کہا: ''گناہ کبیرہ صرف سات ہیں۔ ابن عباسؓ نے جواب دیا گناہ کبیرہ سات نہیں بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ سات سو ہیں۔''

امام ابن حجر مکیؒ اپنی کتاب ''کتاب الزواجر'' میں فرماتے ہیں: ''گناہ کبیرہ وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سرزد ہوتی ہے اس کی چار سو ساٹھ قسمیں ہیں۔''

گناہ صغیرہ کس طرح معاف کیا جاسکتا ہے؟ جب کوئی شخص وضو کرتا ہے، اور اپنے جسم کے مختلف اعضاء دھوتا ہے تو جسم کے اس مخصوص حصہ کے گناہ اس طرح دُھل جاتے ہیں جس طرح تیز ہوا چلنے پر سوکھے ہوئے پتّے درختوں سے گر جایا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب ہم وضو کرتے وقت کلی کرتے ہیں، تو ہماری زبان کے گناہ دُھل جاتے ہیں، جب ہم اپنے پیر دھوتے ہیں، تو ہمارے پیروں کے گناہ دُھل جاتے ہیں۔ جب کوئی مسلمان وضو کر کے نماز کی نیت سے مسجد کی طرف چلتا ہے تو ہر ہر قدم پر اُس کا ایک گناہ معاف کر دیا جاتا ہے۔ (یعنی چھوٹا یا معمولی گناہ)۔

گناہ کبیرہ تو وضو کرنے اور نماز ادا کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتے، گناہ کبیرہ کی معافی کے لئے مخلصانہ توبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ مخلصانہ توبہ کیا ہے؟

۱۔ گناہ کرنے کے بعد بندہ اس گناہ کے سرزد ہونے کا سچے دل سے اقرار کرے۔

۲۔ اس گناہ کو دوبارہ نہ کرنے کا پورا ارادہ کرے۔

۳۔ اپنے اس گناہ پر سچے دل سے نادم ہو، اور سچے دل سے اللہ سے معافی کا طالب ہو۔ پس اگر کوئی شخص روزے بھی رکھے، نماز بھی ادا کرے، مگر ساتھ ہی ساتھ گناہ کبیرہ بھی کرتا رہے، تو اس کی نماز اور روزہ قبول نہیں کئے جائیں گے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ گناہ کبیرہ کی تعداد موقع ومحل اور وقت کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ لہٰذا علماء دین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ گناہ کبیرہ کی کوئی تعداد مقرر نہیں کی جاسکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''میں تمہیں بتاؤں کہ تین گناہ کبیرہ کون سے ہیں؟

(ا) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔ (ب) ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ اور (ج) جھوٹی گواہی دینا۔'' (بخاری اور مُسلم)

اللہ کے رسول ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے کہ: ''اپنے والدین کو گالیاں دینا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا، ''ایسا بدبخت کون ہو گا جو اپنے والدین کو گالیاں دے؟'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ''جب تم کسی دوسرے کے والدین کو گالیاں دو گے تو وہ بھی جواباً تمہارے والدین کو گالیاں دے گا۔ لہٰذا کسی دوسرے کے والدین کو گالیاں دینا ایسا ہی ہے، گویا تم اپنے ہی والدین کو گالیاں دے رہے ہو۔'' (صحیحین)

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا کسی کو بلاوجہ جان سے مارنا، کسی یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، میدان جنگ سے بھاگ آنا۔ متقی اور نیک عورتوں پر الزام لگانا، اپنے والدین کی نافرمانی کرنا مساجد کا احترام نہ کرنا یہ سب کے سب گناہ کبیرہ ہیں۔'' (بخاری)

ایک دوسری حدیث کے مطابق کسی معقول عذر کے بغیر دو نمازیں ایک ساتھ ملا کر پڑھنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ ہر نماز کو اپنے وقت مقررہ پر ہی ادا کرنا فرض ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: شرک، اس نے کہا اس کے بعد کونسا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک بچہ کو اس خطرہ سے مار ڈالو کہ تمہیں اس کو کھانا کھلانا پڑے گا۔ اس نے پوچھا اس کے بعد کونسا بڑا گناہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرنا۔ (بخاری ومسلم)

ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ جملہ تین بار دُہرایا ''وہ غارت ہوگیا'' ''وہ غارت ہوگیا'' ''وہ غارت ہوگیا'' ابوذرؓ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا ''وہ کون؟'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ شخص جس نے ایسا لباس پہنا، جو اس کے چلتے وقت زمین پر لگنے لگا۔ وہ شخص جو خیرات کرنے کے بعد احسان جتلائے، وہ شخص جو بوڑھا ہونے کے باوجود زنا کا مرتکب ہو، وہ شخص جو ایک اہم عہدے پر فائز ہوتے ہوئے جھوٹ بولے، وہ شخص جو اللہ کی طرف سے اولاد

عطا کئے جانے پر غرور اور تکبر کرے اور وہ شخص جو حاکم وقت کی دُنیاوی فائدے کے لئے حمایت، خوشامد اور چاپلوسی کرے، یہ سبھی گناہ کبیرہ کے مُرتکب ہیں۔'' (مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی یہ بھی ہے، وہ جنت میں نہیں جائے گا جو:

شراب پیتا ہو۔ جو اپنے والدین کی نافرمانی کرتا ہو۔ جو بلا کسی معقول وجہ کے اپنے رشتے داروں سے دور ہے۔ جو احسان کر کے جتائے گا۔ جو شیطانی طریقوں سے پیشین گوئی کرتا ہو اور وہ جو اپنے اہل وعیال کو غلط راستے پر چلنے سے باز نہیں رکھے گا۔ (نسائی اور مسند احمد)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''غیبت کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔'' (صحیحین)

آیئے، ہم اللہ سے دُعا کریں، کہ وہ ہمیں صغیرہ اور کبیرہ تمام گناہوں سے بچائے اور راہِ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین یا ربّ العالمین)

# اہلِ کتاب کے دعوے

اللہ تعالیٰ کا بنی نوع انسان کے لیئے سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اُس نے انسان کو ہدایت عطا فرمائی اس ہدایت کے بغیر بنی نوع انسان غفلت کے اندھیروں میں ڈوبا رہتا۔ یہود و نصاریٰ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں کے ذریعہ راہِ ہدایت دکھائی لیکن ان میں سے اکثر نے صحیح راستہ کو ٹھکرا دیا۔ آیئے ان کے رویے کا جائزہ لیں۔ سورۃ البقرہ: ۱۳۵

وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

(ترجمہ) اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو ہدایت پالو۔ (اے پیغمبر اُن سے) کہہ دو (ہرگز نہیں) بلکہ (ہم) دین ابراہیم (اختیار کئے ہوئے ہیں) جو ایک اللہ کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

گو یہود و نصاریٰ یہی کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے۔ جبکہ اہلِ کتاب شرک کرتے ہیں۔ سورۃ البقرہ: ۱۴۰

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

(ترجمہ) (اے یہود و نصاریٰ) کیا تم اِس بات کے قائل ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اُن کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن سے) کہو کہ بھلا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی شہادت کو جو اُس کے پاس (کتاب میں موجود) ہے چھپائے اور جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو اللہ اُس سے بے خبر نہیں۔

درحقیقت اہل کتاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جان بوجھ کر انکار کر رہے ہیں۔ سورۃ البقرہ: ۱۴۶

اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡرِفُوۡنَهٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ ؕ وَاِنَّ فَرِیۡقًا مِّنۡهُمۡ لَیَکۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ وَ هُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۴۶﴾

(ترجمہ) جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان (پیغمبر آخرالزمان) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں۔ مگر ایک فریق ان میں سے سچی بات کو جان بُوجھ کر چُھپارہا ہے۔

صرف یہی نہیں یہ لوگ اس سلسلہ میں حیران کُن دعوے بھی پیش کرتے ہیں، مثال کے طور پر یہی اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ دعویٰ کرتے ہیں کہ۔ سورۃ البقرہ: ۱۱۱

وَ قَالُوۡا لَنۡ یَّدۡخُلَ الۡجَنَّةَ اِلَّا مَنۡ کَانَ هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰی ؕ تِلۡكَ اَمَانِیُّهُمۡ ؕ قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۱۱﴾

(ترجمہ) اور (یہود اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی بہشت میں نہیں جانے کا۔ یہ اُن لوگوں کے خیالاتِ باطل ہیں (اے پیغمبران سے) کہہ دو کہ اگر سچے ہوتو دلیل پیش کرو۔

اسی طرح یہ لوگ یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ سورۃ البقرہ: ۸۰

وَ قَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً ؕ قُلۡ اَتَّخَذۡتُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ عَهۡدًا فَلَنۡ یُّخۡلِفَ اللّٰهُ عَهۡدَهٗۤ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۰﴾

(ترجمہ) اور کہتے ہیں کہ ہمیں (دوزخ کی) آگ چند روز کے سوا چُھو ہی نہیں سکے گی۔ اُن سے پوچھو کیا تم نے اللہ سے اقرار لے رکھا ہے کہ اللہ اپنے اقرار کے خلاف نہیں کرے گا (نہیں) بلکہ تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو جن کا تمہیں مطلق علم نہیں۔

اہل کتاب کے تمام دعوے سچائی سے کوسوں دور ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورۃ آل عمران: ۶۵

یٰۤاَهۡلَ الۡکِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِیۡۤ اِبۡرٰهِیۡمَ وَمَاۤ اُنۡزِلَتِ التَّوۡرٰىةُ وَالۡاِنۡجِیۡلُ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۵﴾

(ترجمہ) اے اہل کتاب تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل اُن کے بعد اُتری ہیں، (اور وہ پہلے ہو چکے ہیں) تو کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ اسی سورۃ میں فرماتا ہے۔سورۃ آل عمران: ۶۸

اِنَّ اَوۡلَى النَّاسِ بِاِبۡرٰهِيۡمَ لَلَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا‌ ؕ وَاللّٰهُ وَلِىُّ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝۶۸

(ترجمہ) حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو اُن کی پیروی کرتے ہیں اور یہ پیغمبر (آخرالزمان) ہیں اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور اللہ مومنوں کا کارساز ہے۔

اہل کتاب کی چالیں بہت پرفریب ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔سورۃ آل عمران: ۷۲

وَقَالَتۡ طَّآٮِٕفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اٰمِنُوۡا بِالَّذِىۡٓ اُنۡزِلَ عَلَى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَجۡهَ النَّهَارِ وَاكۡفُرُوۡۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ۚ ۝۷۲

(ترجمہ) اور اہل کتاب ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ جو (کتاب) مومنوں پر نازل ہوئی ہے اُس پر دن کے شروع میں تو ایمان لے آیا کرو اور شام کو انکار کر دیا کرو ممکن ہے کہ وہ (اپنے دین سے) پھر جائیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔سورۃ آل عمران: ۷۸

وَاِنَّ مِنۡهُمۡ لَفَرِيۡقًا يَّلۡوٗنَ اَلۡسِنَتَهُمۡ بِالۡكِتٰبِ لِتَحۡسَبُوۡهُ مِنَ الۡكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الۡكِتٰبِ ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ۝۷۸

(ترجمہ) اور ان (اہل کتاب) میں بعض ایسے ہیں کہ کتاب (تورات) کو زبان مروڑ مروڑ کر پڑھتے ہیں۔ تاکہ تم سمجھو کہ جو کچھ وہ پڑھتے ہیں کتاب میں سے ہے حالانکہ وہ کتاب

میں سے نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے (نازل ہوا) ہے حالانکہ وہ اللہ کے طرف سے نہیں ہوتا۔ اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اور (یہ بات) جانتے بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تسلی اور دِلاسہ دیتے ہوئے سورۃ البقرۃ: ۷۵۔۷۷ میں ارشاد فرماتا ہے:

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ﴿۷۵﴾ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْۤا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ لِیُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴿۷۶﴾ اَوَ لَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ﴿۷۷﴾

(ترجمہ) (مومنو) کیا تم اُمید رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہارے (دین کے) قائل ہو جائیں گے (حالانکہ) اُن میں سے کچھ لوگ اللہ کے کلام (یعنی تورات) کو سنتے پھر اُس کے سمجھ لینے کے بعد اُس کو جان بُوجھ کر بدل دیتے رہے ہیں۔ اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں۔ اور جس وقت آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں جو بات اللہ نے تم پر ظاہر فرمائی ہے وہ تم اُن کو اس لئے بتائے دیتے ہو کہ (قیامت کے دن) اسی کے حوالے سے تمہارے پروردگار کے سامنے تم کو الزام دیں۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟ کیا یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ جو کچھ یہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اللہ کو (سب) معلوم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورۃ البقرہ: ۷۹

فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ۗ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِیَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ وَ وَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا یَكْسِبُوْنَ﴿۷۹﴾

(ترجمہ) تو اُن لوگوں کے لیے ہلاکت اور تباہی ہے جو اپنے ہاتھ سے تو کتاب لکھتے ہیں، اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے (آئی) ہے تا کہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیوی منفعت) حاصل کریں۔ سو اُن کے لئے تباہی ہے اس لئے کہ (بے اصل باتیں) اپنے

ہاتھ سے لکھتے ہیں اور اُن کے لیے ہلاکت ہے اس بنا پر جو وہ کماتے ہیں۔

اور آخر میں اللہ تعالیٰ ان اہل کتاب کو دعوت دیتے ہوئے فرماتا ہے۔ سورۃ آل عمران: ۶۴

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

(ترجمہ) کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اُس کی طرف آؤ، وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے، اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (اُن سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (اللہ کے) فرمانبردار ہیں۔

یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ سب اہل کتاب ایک جیسے نہیں ہیں جیسا کہ سورۃ آل عمران: ۷۵ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

(ترجمہ) اور اہل کتاب میں سے کوئی تو ایسا ہے کہ اگر تم اُس کے پاس (اشرفیوں کا) ڈھیر امانت رکھ دو تو تم کو (فوراً) واپس دیدے۔ اور کوئی اس طرح کا ہے کہ اگر اُس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھو تو جب تک اس کے سر پر ہر وقت کھڑے نہ رہو تمہیں نہیں دے گا۔ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ اُمیوں کے بارے میں ہم سے مواخذہ نہیں ہوگا۔ یہ اللہ پر محض جھوٹ بولتے ہیں اور (اس بات کو) جانتے بھی ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورہ آل عمران: ۱۱۳۔ ۱۱۴

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۱۴

(ترجمہ) یہ بھی سب ایک جیسے نہیں ہیں۔ ان اہلِ کتاب میں کچھ لوگ (حکم اللہ پر) قائم بھی ہیں۔ جو رات کے وقت اللہ کی آیتیں پڑھتے اور (اُس کے آگے) سجدے کرتے ہیں۔ (اور) اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے اور اچھے کام کرنے کو کہتے اور بُری باتوں سے منع کرتے، اور نیکیوں پر لپکتے ہیں۔ اور یہی لوگ نیکوکار ہیں۔

دعا ہے کہ اہلِ کتاب صحیح ہدایت کو جان، پہچان اور مان لیں جو کہ قرآن کریم میں موجود ہے، آمین۔

# ماہِ شعبان

مسلمان ماہِ شعبان کی ایک خاص رات بڑے اہتمام سے مناتے ہیں۔ وہ ہے شب برأت! مسلمان اس رات سے متعلق بہت ساری بدعتوں میں مبتلا ہیں، جن کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ کچھ مثالیں دیکھئے:

۱۔ کچھ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے خاندان کے گزرے ہوئے افراد کی روحیں اس رات واپس آتی ہیں۔ اس خوشی میں مسلمان مٹھائیاں تقسیم کرتے ہیں۔ یہ رسم بالکل غیر اسلامی ہے۔ ایک سچا مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں ان ارواح کی پرستش (نعوذ باللہ) نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اُن کی مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا چاہئے۔

۲۔ ایک دوسرے عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ موت اور زندگی کے فیصلے اس رات کرتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ موت اور حیات کے یہ اہم فیصلے اللہ تعالیٰ ہماری پیدائش سے بہت پہلے کر چُکا ہے۔

۳۔ ایک اور واقعہ مشہور ہے کہ ایک بہت ہی بڑا آسمانی درخت ہے اس کے پتوں پر لوگوں کے نام لکھے ہوئے ہیں اس کے چند پتے اس رات جھڑ کر گر جاتے ہیں، جس کے نام کا پتہ جھڑ جاتا ہے، عقیدہ یہ ہے کہ اُس کی موت اس سال کے دوران واقع ہو جاتی ہے۔

۴۔ اس رات سے متعلقہ ایک اور بدعت یہ ہے کہ مسلمان اس رات آتش بازی کرتے ہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ مسلمان ایسا کیوں کرتے ہیں؟ غالباً مسلمانوں میں یہ چیز ہندوؤں کی دیوالی وغیرہ کی رسموں سے پیدا ہوگئی ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ایک قرآن حکیم اور دوسری اپنی سنت، اگر تم ان دونوں پر چلتے رہے تو کبھی بھی صراط مستقیم سے نہیں بھٹکو گے۔''

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس رات (شب برأت یا ۱۵ شعبان) کی کیا حیثیت اور اہمیت ہے؟ اس رات کا ذکر پورے قرآن میں کہیں نہیں ہے، چند علمائے دین کا یہ کہنا ہے کہ اس کا ذکر سورۃ الدخان کی آیت نمبر ۳ اور ۴ میں موجود ہے۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِيۡنَ ۝۳ فِيۡهَا يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ ۝۴

(ترجمہ) کہ ہم نے اس کو مبارک رات میں نازل فرمایا بے شک ہم ہی ہدایت دینے والے ہیں۔ اسی رات میں ہر حکمت کے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

حالانکہ زیادہ تر علماء دین کا خیال یہ ہے کہ اس آیت میں بھی لیلۃ القدر کی طرف اشارہ ہے۔ جو ماہِ رمضان المبارک میں آتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورۃ القدر: ۱

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۝۱

(ترجمہ) بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل (کرنا شروع) کیا۔

اور آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورۃ البقرہ: ۱۸۵

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِىۡٓ اُنۡزِلَ فِيۡهِ الۡقُرۡاٰنُ

(ترجمہ) رمضان کا مہینہ (ہے) جس میں قرآن (اوّل اوّل) نازل ہوا۔

لہٰذا سورۃ الدخان میں اشارہ لیلۃ القدر کی ہی طرف ہے، نہ کہ نصف شعبان کی رات کی طرف۔ امام المنذری اپنی کتاب ''ترغیب وترہیب'' میں شعبان سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چودہ احادیث نقل فرماتے ہیں۔ اُن میں سے کچھ احادیث یہ ہیں۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: ''ماہِ شعبان کا احترام کے ساتھ استقبال کرو کیونکہ یہ ماہ رمضان سے پہلے آتا ہے۔ ماہِ رمضان وہ مقدس مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم نازل فرمایا۔ جس طرح تم کسی خاص مہمان کا استقبال کرنے کے لیے بہت پہلے سے تیاریاں کرتے ہو، اسی طرح ماہِ رمضان کا استقبال کرنے کے لیے ماہ شعبان سے ہی تیاریاں شروع کرو۔''

ایک اور حدیث کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہِ شعبان میں کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں، کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ماہِ شعبان میں بکثرت روزے رکھا

کرتے تھے اور کسی ماہِ شعبان میں روزوں کی کثرت میں کمی کر دیا کرتے تھے۔ اس سے اُمت کو یہ بتانا مَقصُود تھا کہ یہ روزے فرض نہیں نفل ہیں، اور ان کا رکھنا محض زیادہ ثواب کی خاطر ہے۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رات میں اپنے بندوں پر خاص لطف وکرم کی بارش فرماتا ہے۔ کہ ہم اپنے گناہوں سے توبہ کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ہے کوئی گناہگار جو اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرے؟ تاکہ میں اُسے بخش دُوں! ہے کوئی مجھ سے مدد چاہنے والا، کہ میں دستِ غیب سے اس کی مدد کروں؟ ہے کوئی جو کسی سخت مُشکل سے رہائی چاہتا ہو، اور میں اس کی مشکل آسان کردوں''! لہٰذا ماہِ شعبان کے دوران اللہ اپنی رحمت کے دروازے اپنے بندوں پر کھول دیتا ہے۔

ایک اور حدیث کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''اس ماہ مبارک کے دوران قبرستان جاکر قبور کی زیارت کیا کرو، کیونکہ قبر ہم کو ہمارا آخری انجام یاد دلاتی ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مزید فرمایا ''اگر کسی شخص کو قبرستان کی زیارت سے عبرت نہیں ملتی تو اسے کبھی بھی ہدایت نصیب نہیں ہوسکتی۔''

میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو قرآن وحدیث کی روشنی میں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

# لیلۃ القدر

اللہ تعالیٰ سورۃ القدر کی آیات ۱ سے ۵ میں ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ﴿١﴾ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ ﴿٢﴾ لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴿٣﴾ تَنَزَّلُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَٱلرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ﴿٤﴾ سَلَٰمٌ هِىَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ ٱلْفَجْرِ ﴿٥﴾

(ترجمہ) ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل (کرنا شروع) کیا، اور تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے، اس میں روح (الامین) اور فرشتے ہر کام کے (انتظام کے) لیے اپنے پروردگار کے حکم سے اُترتے ہیں، یہ (رات) طلوع صبح تک (امان اور) سلامتی ہے۔

اس سورۃ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو لیلۃ القدر میں نازل فرمایا۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم موقع کی مناسبت سے تیئس سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا بذریعہ وحی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل فرمایا۔ لیکن اب سوال یہ اُٹھتا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ یہ کیوں فرماتا ہے، کہ ہم نے یہ قرآن لیلۃ القدر میں نازل فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس رات قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ لوح محفوظ سے پہلے آسمان دنیا پر لائے پھر آسمان دنیا سے رفتہ رفتہ تیئس سال میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلب مبارک پر نازل فرمایا، اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ پہلی وحی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر غار حرا میں نازل کی گئی۔ اسی مبارک رات یعنی لیلۃ القدر میں نازل کی گئی تھی۔ یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے، چونکہ سورۃ العلق کی پہلی چند آیتیں پہلی وحی تھی اور قرآن پاک میں سورۃ لیلۃ القدر سورۃ العلق کے فوراً بعد ہے۔ اس لیے یہ بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ لیلۃ القدر میں وحی کا آغاز ہوا۔

لفظ ''قدر'' کا مطلب کیا ہے؟۔ اس کے تین معانی ہیں۔ قدر کے معنی قیمتی ہے۔ سوچیئے،

اس رات کو قیمتی کس چیز نے بنایا؟ یقیناً قرآن حکیم کے نزول نے! قدر کے دوسرے معنی طاقتور ہیں۔ پس ایک شخص جس کی کوئی قدر و منزلت نہ تھی اس رات کے دوران مخلصانہ عبادت سے روحانی طاقت حاصل کرلیتا ہے۔

لفظ ''قدر'' کے تیسرے معنی تقدیر کے بھی ہوتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ میں ہر قسم کا قطعی اور آخری فیصلہ انسانوں کی پیدائش کے بہت پہلے ہی صادر و نافذ کر چکا ہوتا ہے، لیکن پروردگار اس رات کو آنے والے پورے سال کے تمام واقعات کو جاری و ساری کرنے کے احکامات فرشتوں کے سپرد فرما دیتا ہے۔ علماء دین کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ سورۃ الدخان کی چند ابتدائی آیات اسی رات (شب قدر) کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الدخان کی آیات نمبر ۱ سے ۴ تک میں فرمایا ہے:

حٰمٓ ۞ وَ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۞ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ ۞ فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ ۞

(ترجمہ) حٰم۔ اس کتاب روشن کی قسم۔ بے شک ہم نے اس (قرآن) کو مبارک رات میں نازل فرمایا بے شک ہم ہی ہدایت دینے والے ہیں۔ اسی رات میں ہر حکمت کے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

بہت کم علماء دین کا یہ خیال ہے کہ سورۃ الدخان کی یہ آیات نصف شعبان کی رات کی طرف اشارہ کرتی ہیں، ان علماء کا بھی کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہم فیصلے شعبان کے دوران کر لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ یہ فیصلے لیلۃ القدر میں فرشتوں کے سپرد فرماتا ہے۔ اصل حقیقت کیا ہے؟ اس کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''یہ ایک رات ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے''۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ اُس زمانے کے اہل عرب ایک ہزار کو بہت بڑی تعداد تصور کرتے تھے۔ یعنی اس ایک رات کی عبادت گویا ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر اور افضل ہے۔ (ایک ہزار مہینوں کے تیراسی سال، اور چار ماہ ہوتے ہیں)۔

ابن ابی حاتم نے مجاہدؒ کے حوالے سے روایت کی ہے، کہ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو ایک یہودی کے بارے میں بتایا، جو مسلسل اسی برس تک بلاناغہ اللہ کی عبادت کیا کرتا رہا۔ اسی طرح ابن جریر نے مجاہد کے حوالے سے روایت کی ہے، کہ آپ ﷺ نے فرمایا ایک یہودی نے اسی سال تک بلاناغہ پوری رات اللہ کی عبادت کی، اور پورا دن اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہاں اللہ تعالیٰ اپنے آخری رسول ﷺ کی امت کو یہ بتا رہا ہے کہ اس یہودی کی اسی سال کی عبادت اور جہاد کے مقابلہ میں امت مسلمہ کی ایک رات لیلۃ القدر کی عبادت زیادہ افضل ہے۔ اس لئے لیلۃ القدر اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت محمدی کے لئے خاص الخاص انعام ہے۔ یہ خاص انعام اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے آخری رسول ﷺ اور ان کی اس امت سے بے حد محبت ہے۔ علاوہ ازیں گو ہم سے پہلے کی امتوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے روزے فرض کئے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ اور ان کی امت کو پہلی امتوں پر فوقیت دیتے ہوئے رمضان المبارک کے دوران لیلۃ القدر مقرر کی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔ اس مبارک رات کے دوران جبریل علیہ السلام کے علاوہ اور بہت سارے فرشتے جو ہمہ وقت ''سدرۃ المنتہیٰ'' پر حاضر رہتے ہیں، آسمان دنیا تک آ کر جب اللہ کے بندوں کو عبادت میں مصروف دیکھتے ہیں، تو اللہ سے ان کے حق میں سفارش کرتے ہیں۔ یہ رات مکمل امن وسکون کی رات ہوتی ہے۔ اس رات میں برکتوں کا نزول صبح صادق نمودار ہونے تک جاری رہتا ہے! کچھ لوگ اس پاک رات کے دوران کچھ عجیب وغریب مناظر دیکھتے ہیں۔ اور جو لوگ ان عجائبات کا مشاہدہ نہیں کر پاتے، وہ لوگ بھی اس رات کی برکتوں سے مستفید ہوتے ہیں۔ یہ رات کب آتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورۃ البقرہ: ۱۸۵

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ

(ترجمہ) رمضان کا مہینہ (ہے) جس میں قرآن (اوّل اوّل) نازل ہوا۔

اللہ تعالیٰ سورۃ القدر کی آیت نمبر ا میں بھی فرماتا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝١

(ترجمہ) ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل (کرنا شروع) کیا۔

لہٰذا شب قدر رمضان المبارک کی ایک رات ہے۔ اس بارے میں حضورﷺ کی کئی احادیث موجود ہیں۔ بخاریؒ میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسولﷺ نے فرمایا کہ شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ اسی طرح مسلم میں ابن عمرؓ سے بھی روایت ہے کہ اللہ کے رسولﷺ نے فرمایا: کہ شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ شب قدر رمضان کی ۲۷ ویں شب کو ہی واقع ہوتی ہے۔ ایسا یقینی طور پر نہیں ہے۔ بلکہ اس رات کو آخری عشرہ میں تلاش کرنے کا حکم دیکر اللہ تعالیٰ نے ہم پر ایک بہت خاص مہربانی کی ہے۔ کہ ہم ان دس راتوں میں زیادہ سے زیادہ عبادات میں مشغول رہ کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں۔

کچھ لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ قرآن کریم رات کو نازل کیوں ہوا؟ دن کو نازل کیوں نہیں ہوا؟ اس کی اصل وجہ تو صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ ہم انسان اپنی عقل وفہم کی بنیاد پر یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ رات کو دن کی نسبت زیادہ سکون اور سناٹا ہوتا ہے۔ لہٰذا رات کے وقت انسانی دماغ کسی بھی خیال کو جذب کرنے کی زیادہ طاقت وصلاحیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورۃ مزمل:۶

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا ؕ۝۶

(ترجمہ) بے شک رات کو اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لیے بہت کارگر ہے اور (قرآن) پڑھنے کے لیے بہت ہی خوب وقت ہے۔

یعنی دن کی نسبت رات کو الفاظ زیادہ موثر ہوتے ہیں۔ اور ذکر زیادہ درست ہوتا ہے۔ فلسفہ کے نقطۂ نظر سے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ رات کے معنی تاریکی خالی پن (خلاء) کھوکھلا پن کسی بھی چیز کا قطعی طور پر غیر موجود ہونا ہوتا ہے۔ اس کیفیت کے بعد جب دن طلوع ہوتا ہے تو روشنی ہر چیز کی حقیقت کو واضح کر دیتی ہے۔ جب قرآن کا نزول ہوا تو پورا عالم انسانیت تاریکی میں تھا۔ قرآن نے اس تاریکی کو ہدایت کی روشنی سے منور کر دیا۔ اس روشنی نے حق وباطل کے

درمیان فرق بتا دیا۔ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۸۵ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ

(ترجمہ) جو لوگوں کا راہنما ہے اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور (جو حق وباطل کو) الگ الگ کرنیوالا ہے۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہے، کہ یہ ہدایت یا روشنی صرف اہل عرب، یا صرف مسلمانوں کے لیے نہیں ہے، بلکہ پورے عالم انسانیت کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ انسان کو عطا کی گئی اللہ کی تمام تر عنایات میں سے سب سے عظیم عنایت یہی ہدایت کی روشنی ہے۔ جو پوری انسانیت کو تاریکی سے نکال کر روشنی عطا کرتی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت فرمایا: اگر میں لیلۃ القدر کو پاؤں تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: یہ دعا مانگو۔

''اللّٰھم انک عفو تحب العفو فاعف عنا''

ترجمہ: ''اے اللہ یقیناً آپ معاف فرمانے والے ہیں۔ آپ کو معاف فرما دینا بہت پسند ہے، لہٰذا اے اللہ ہمارے گناہوں کو بھی معاف فرما دیں۔''

میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری اس ادنیٰ کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور مجھے اور اس کتاب کو پڑھنے اور سننے والوں کو نیک ہدایت دے، اور ہم سب کے تمام گناہوں کو معاف فرمائے۔ (آمین)

# حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحانات

اللہ تعالیٰ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۲۴ میں فرماتا ہے:

وَاِذِابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

(ترجمہ) اور جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کی تو وہ اُن میں پورے اُترے۔ اللہ نے کہا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ (پروردگار) میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنائیو) اللہ نے فرمایا کہ ہمارا اقرار ظالموں کے لئے نہیں ہوا کرتا۔

ذہن میں کئی سوالات سر اُٹھاتے ہیں۔ جب اللہ سب کچھ جاننے والا ہے تو پھر وہ کسی کا امتحان کیوں لینا چاہتا ہے؟ ان امتحانات کا مقصد، اور اصل وجہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جن امتحانات سے دو چار فرمایا، ان کا نتیجہ کیا برآمد ہوا؟ اور ان میں کامیاب ہونے پر انہیں انعام کیا ملا؟ آیئے ہم ان تمام سوالات پر یکے بعد دیگرے غور کریں۔ ان امتحانات کا مقصد کامیابی یا ناکامی نہیں بلکہ اپنے پیارے رسول کی تربیت مقصود تھی۔ اس آیت کریمہ میں ان امتحانات کا مقصد لفظ ''رَب'' سے ظاہر کر دیا گیا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام آسماء حسنیٰ سے لفظ ''رب'' کو اس لئے چنا ہے تاکہ اپنے بندے کو جسمانی اور روحانی تربیت کے ذریعے اعلیٰ مقاصد میں کامیاب وکامران کرے۔ ایک شاعر کہتا ہے!

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحانات کے نتیجہ کا بھی اعلان کتنے پیارے انداز میں کیا۔ سورۃ النجم: ۳۷

وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰٓى ۙ﴿۳۷﴾

(ترجمہ) اور ابراہیم جنہوں نے (حق طاعت و رسالت) پورا کیا۔

یعنی آپ کو تمام آزمائشوں میں کامیابی ہوئی! اس کامیابی کا انعام کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ہم تمہیں تمام انسانوں کا امام بنائیں گے'' حضرت ابراہیم اس انعام سے بہت خوش ہوئے، لیکن ساتھ ہی ساتھ اپنی آنے والی نسلوں کے لیے فکرمند بھی ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یقینا تمہاری آنے والی نسلوں میں سے بھی امام ہوں گے، سوائے اُن کے جو ظالم ہوں گے۔'' پس اس آیت کریمہ کی رو سے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) میں امام ہو ہی نہیں سکتے، کیونکہ ان لوگوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اور اللہ تعالیٰ ہی کے ارشاد کے مطابق سورۃ لقمان: ۱۳

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ

(ترجمہ) یقینا شرک ظلم عظیم ہے۔

اب ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چند آزمائشوں کا ذکر کریں گے۔ پہلی آزمائش وہ ہے جب آپ اپنے خاندان کے ساتھ اپنے قبیلہ میں رہتے تھے۔ آپ دیکھتے تھے، کہ ان کے قبیلہ کے لوگ خود اپنے ہاتھ سے بُت بنا بنا کر اُن کی پرستش کیا کرتے تھے۔ آپ نے بتوں سے کہا۔ سورۃ الصافات: ۹۱-۹۸

فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾

(ترجمہ) پھر ابراہیم علیہ السلام اُن کے معبودوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ (تمہارے سامنے کھانے کی چیزیں لوگوں نے رکھی ہیں) تم کھاتے کیوں نہیں۔ تمہیں کیا ہوا ہے تم بولتے کیوں نہیں۔ پھر ان کو داہنے ہاتھ سے مارنا (اور توڑنا) شروع کیا۔ تو وہ لوگ ان کے پاس دوڑے ہوئے آئے۔ انہوں نے کہا کہ تم ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو۔ حالانکہ تم کو اور جو تم بناتے ہو اس کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اس کے لئے

ایک عمارت بناؤ پھر اس کو آگ کی ڈھیر میں ڈال دو۔غرض انہوں نے اُن کے ساتھ ایک چال چلنی چاہی اور ہم نے اُن ہی کو زیر کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ کے شعلے دیکھ کر فرمایا:

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ

(ترجمہ) ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔الانبیاء: ۶۹

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾

(ترجمہ) اے آگ ٹھنڈی آرام دہ اور معتدل ہوجا ابراہیم پر۔

پس اللہ تعالیٰ نے آگ کے شعلوں کو ابراہیم علیہ السلام کے لئے گلزار میں تبدیل فرما دیا۔اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا، کہ وہ اپنے گھر بار، افراد خاندان، اور قبیلے کو خیر باد کہہ دیتے۔ وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ ملک شام تشریف لے گئے۔ یہ واقعہ بھی سورۃ الصافات کی آیت نمبر ۹۹۔۱۰۰ میں یوں بیان ہوتا ہے:

وَ قَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

(ترجمہ) اور ابراہیم بولے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف جانیوالا ہوں وہ مجھے رستہ دکھائے گا۔اے پروردگار مجھے (اولاد) عطا فرما (جو) سعادتمندوں میں سے (ہو)۔

پس نیک اور صالح اولاد کی خواہش کرنا، تمام انبیاء کی سنت رہی ہے تاکہ اولاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا پیغام بنی نوع انسان کی فلاح وبہبود کے لئے جاری وساری رہ سکے۔اسی سلسلہ میں حضرت زکریا علیہ السلام کی مثال بھی دی جاسکتی ہے جنہوں نے اولاد کے لئے اس طرح دعا فرمائی۔سورۃ آل عمران: ۳۸

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾

(ترجمہ) اس وقت زکریا علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے دعا کی (اور) کہا کہ پروردگار

مجھے اپنی جناب سے اولاد صالح عطا فرما۔ تُو بے شک دعا سننے (اور قبول کرنے) والا ہے۔

لہٰذا ہم سب کو اللہ تعالیٰ سے نیک اور صالح اولاد کے حصول کے لئے دعا کرتے رہنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول کرتے ہوئے انہیں ایک نیک، صالح اور صابر بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری سنائی۔ الصافات:۱۰۱

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

(ترجمہ) پس ہم نے اسے ایک بردبار لڑکے کی بشارت دی۔

اور حضرت ہاجرہ کے بطن مبارک سے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مزید آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ ابراہیم علیہ السلام، ان کی بیوی اور بیٹے کو ملک شام سے موجودہ شہر مکہ لے جاؤ۔ جو اس وقت ویران، سنسان اور بے آب وگیاہ جگہ تھی آپ کو اپنی بیوی اور بچے کو وہاں تنہا چھوڑ کر واپس ملک شام جانے کا حکم ملا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی اور بچے کو جلتی ہوئی ریت پر اللہ کے سپرد کر کے واپسی کا ارادہ فرمایا۔ بی بی ہاجرہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا: آپ مجھے اور اپنے بیٹے کو تنہا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بیوی نے پھر اپنا سوال دُہرایا، شوہر پھر خاموش رہا۔ آخر کار بیوی نے پوچھا، کیا آپ اللہ کے حکم سے ایسا کر رہے ہیں؟، آپ نے فرمایا: ”ہاں“ بی بی ہاجرہ نے جواب دیا، ”بس تو پھر آپ بخوشی تشریف لے جائیں، جس اللہ کا حکم بجالانے کے لئے آپ جا رہے ہیں، انشاء اللہ وہ ہمارا بھی مددگار ہوگا۔“

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیوی اور بیٹے سے رخصت ہو کر ایک ٹیلے کی آڑ میں پہونچے تو اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی، اے میرے اللہ، میں تیرے حکم کی تعمیل میں اپنی بیوی اور بیٹے کو ایک ایسی جگہ چھوڑ کر جا رہا ہوں جہاں نہ انسانی آبادی ہے نہ کہیں سبزہ ہے، اور نہ ایک بوند پانی۔ اے میرے اللہ ان کو دست غیب سے رسیلے اور میٹھے پھل عطا فرما، تا کہ یہ تیری عبادت کر سکیں۔

اور تیرے فرمانبردار بندے بن کر رہ سکیں۔

یہاں نوٹ فرمایئے کہ تمام انبیاء علیہ السلام کی فطرت میں شامل تھی، کہ وہ ہر وقت حقوق اللہ اور حقوق العباد میں توازن رکھتے تھے۔

یہ واقعہ اس چھوٹے سے خاندان کے لئے انتہائی صبر آزما تھا۔ اب جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس جا چکے تھے، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زبان پیاس کی شدت سے خشک ہو کر تالو سے لگ گئی تھی۔ بی بی ہاجرہ نے ایک نشیب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ریت پر لٹا دیا۔ اور بی بی ہاجرہؓ نے صفا، اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان پیاسے بچے کے لئے پانی کی تلاش میں سات چکر لگائے۔ ساتویں چکر کے بعد جو آپؓ تھک ہار کر بیٹے کے پاس واپس آئیں تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں، کہ جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیاس کی شدت سے بے تاب ہو کر ایڑیاں رگڑ رہے تھے، وہاں سے اچانک ایک شیریں اور ٹھنڈے پانی کا چشمہ اُبل رہا تھا۔ جب یہ پانی اچھل اچھل کر دور تک پھیلنے لگا تو حضرت ہاجرہؓ نے فرمایا ''زم زم'' جس کا مطلب ہے ٹھہر جا۔ یہیں سے اس چشمے کا نام زم زم پڑ گیا۔ اسی زم زم کے چشمے کا پانی لوگ آج تک پی رہے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام گاہے بگاہے اپنی بیوی اور بچے سے ملنے شام سے مکہ مکرمہ تشریف لایا کرتے تھے۔ ابھی حضرت اسماعیل علیہ السلام نوعمر بچے ہی تھے، کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک اور زبردست آزمائش میں ڈالا۔ ایک روز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اکلوتے فرزند، حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنے پاس بُلایا اور کہا۔ الصافات: ۱۰۲

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ

(ترجمہ) میرے بچے، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں آپ کی قربانی دوں۔ اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔

اس طرز بیان سے پتہ چلتا ہے کہ مشکل وقت میں والدین کو بچوں سے کیسے بات کرنی چاہئے۔ غور فرمایئے ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو نہایت سلیقے سے خواب بتایا اور بیٹے کے ردّعمل کا صبر سے انتظار کرنے لگے۔ اس طرز کلام سے واضح ہے کہ اگر بچے کو اس امر میں نصیحت کی

ضرورت پیش آئے تو وہ بھی فراہم کی جاسکتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ ایک طرح کا امتحان بھی تھا کہ یہ بچہ اللہ تعالیٰ کا کتنا اطاعت گزار ہے۔ یاد رہے کہ بچہ شباب میں ہی والدین کا دست راست بنتا ہے اور سب والدین بے تابی سے عمر کے اس مرحلے کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بچے کی عین جوانی کے موقع پر قربانی کا حکم دیا۔ پس یہ سب کنبہ کے لئے بہت کٹھن امتحان تھا۔ سنئے بچے کا جواب لاجواب تھا۔ اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا۔ الصافات: ۱۰۲

يَآ اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ

(ترجمہ) میرے پیارے باپ آپ وہ کر دیں جس کا آپ کو حکم ہوا ہے۔

غور فرمایئے کہ یہ نوجوان اپنی اسلامی تعلیم و تربیت سے خوب سمجھتے تھے کہ پیغمبر کا خواب بھی وحی کی طرح ہے۔ اسی لئے جواباً عرض کیا کہ جس چیز کا آپ کو حکم ہوا ہے کر دیجئے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا۔ الصافات: ۱۰۲

سَتَجِدُنِيٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ

(ترجمہ) آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔

اس میں بھی ہمارے لئے کئی قیمتی سبق ہیں۔ اولاً یہ کہ آپ نے انشاء اللہ کہا۔ جیسا کہ ہمیں سورۃ الکھف اور سورۃ القلم میں ہدایت کی گئی ہے۔ دوسرے یہ کہ اپنے صبر اور اطاعت گزاری پر فخر کرنے کی بجائے عرض کیا کہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے یعنی محض میں ہی صبر کرنے والا نہیں بلکہ مجھ سے پہلے بھی کئی صابر لوگ ہو گزرے ہیں۔

اب دونوں باپ بیٹے رضائے الٰہی کی خاطر مقام مِنا کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں شیطان ملعون نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ورغلایا، کہ تم صرف ایک خواب دیکھ کر اپنے بیٹے کو (نعوذ باللہ) ہلاک کرنے جارہے ہو! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پتھر مار مار کر شیطان کو بھگا دیا۔ پھر اس مردود شیطان نے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور آپ کی والدہ صاحبہ کو بہکانے کی بھی کوشش کی، انہوں نے بھی شیطان کو پتھر مار مار کر بھگا دیا۔ باپ نے بیٹے کو قربانی کے لئے تیار کرنا شروع کیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے والد بزرگوار سے عرض کی: ''آپ میرے ہاتھ پیر اچھی

طرح کس کر باندھ دیجئے تاکہ میں پھڑک نہ سکوں، چاقو کو تیز کر لیجئے اور اس کو میری گردن پر تیزی سے چلایئے تاکہ میری روح فوراً پرواز کر جائے کیونکہ موت بہت مشکل مرحلہ ہے۔ میرا لہو اپنے کپڑوں پر لگنے نہ دیں، تاکہ میرے ثواب میں کمی نہ کر دے۔ اور میرے خون آلود کپڑے والدہ کو ہرگز نہ دکھائیں، کہ انہیں میرا خون دیکھ کر افسوس و ملال نہ ہو، والدہ سے میرا سلام عرض کیجئے گا''، اپنے بیٹے کی باتیں سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرے پیارے بیٹے آپ یقیناً اللہ کے حکم کی ادائیگی میں بے حد مددگار ہیں۔ اس کے بعد کا سین اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا۔ سورۃ الصافات: ۱۰۳۔۱۰۷

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَ نَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۰۷﴾

(ترجمہ) جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا۔ تو ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم، تم نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ کھلی آزمائش (بڑا امتحان تھا) اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ (قربانی کو) ان کا فدیہ دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی بجائے، ذبح کے لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے جنت سے ایک دُنبہ عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کو دونوں باپ بیٹے کی یہ ادا اس قدر پسند آئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس قربانی کو آنے والی تمام نسلوں کے لئے قیامت تک حج کا ایک اہم رکن بنا دیا۔ شیطان کو تین بار کنکریاں مارنا بھی اللہ کو بہت پسند آیا اور آج تک حجاج کرام اللہ کے حکم سے حج کے تین دنوں میں یہی عمل دہراتے ہیں، اسی طرح حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا پانی کی تلاش میں دوڑنا اللہ تعالیٰ کو اس قدر اچھا لگا کہ اسے بھی سعی کے نام سے عمرے اور حج کا حصہ بنا دیا گیا۔

میں دُعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ابراہیم علیہ السلام اور ان کے کنبے کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین یا رب العالمین)

# بی بی مریم علیہا السلام

عیسائیوں کے تہوار کرسمس سے پہلے، اس کے دوران ،اور اس کے بعد کئی دنوں تک ہم حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر سنتے ہیں، جن کو عیسائی دنیا مَیری (Mary) کے نام سے یاد کرتی ہے۔ ہم مَیری کی مُورتیاں گرجا گھروں میں اور یہاں امریکہ کے تجارتی مراکز میں دیکھتے ہیں، ہم حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں مذہبی نغمات بھی سنتے ہیں۔ یہ سب کچھ دیکھ کر اور سُن کر مسلمان اور ان کے بچے ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہم جاننا چاہیں گے کہ اصل مَیری (مریم) ہیں کون؟ ان کا بچپن کیسا تھا؟ ان کی پرورش کس طرح ہوئی؟ وہ بچپن سے جوانی تک کس طرح پہونچیں؟ ایک بالغ عورت کے طور پر اُن کا کردار کیسا تھا؟ حضرت مریم علیہا السلام کس طرح حاملہ ہوئیں؟ اور کس طرح ایک بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں بنیں؟ ان تمام واقعات میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوح انسان کے لئے اپنی بہت ساری نشانیاں ظاہر کی ہیں۔ حضرت مریم کی مبارک پیدائش کا واقعہ سورۃ آل عمران کی آیات نمبر: ۳۵۔۳۶ میں درج ہے:

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾

(ترجمہ) (وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے) جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے پروردگار جو (بچہ) میرے پیٹ میں ہے میں اس کو تیری نذر کرتی ہوں اسے دنیا کے کاموں سے آزاد رکھوں گی تو (اسے) میری طرف سے قبول فرما تُو تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ سو جب اس نے اس کو (مریم کو) جنم دیا تو کہنے لگیں کہ پروردگار! میرے تو لڑکی ہوئی ہے اللہ

خوب جانتا ہے جو اس نے جنم دیا اور بیٹا بیٹی کے مانند نہیں ہوتا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

جب لڑکی پیدا ہوئی تو انہیں بہت تعجب ہوا! اس زمانے میں یہ ایک عام خیال تھا کہ کسی بھی عبادت گاہ میں صرف مرد ہی خدمات انجام دے سکتا ہے۔ بہرحال والدہ نے اس بچی کا نام مریم رکھا، اور اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائی، کہ اے میرے اللہ میں اس معصوم بچی کو شیطان مَردُود سے بچا کر تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ بچی کے بارے میں فرماتا ہے، کہ یقیناً یہ لڑکی لڑکوں کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ ایک غیر معمولی لڑکی ہے۔ اس آیت سے ایک یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ پیدا ہونے والے بچے یا بچی کا نام رکھنے کا حق صرف مردوں کا نہیں عورتوں کو بھی ہے۔ اسلام میں مرد اور عورت کے حقوق برابر ہیں اور صرف مردوں اور عورتوں کے دائرہ عمل اور ذمہ داریاں الگ الگ ہیں۔ مردوں اور عورتوں کی یہ ذمہ داریاں اللہ کی ہی طرف سے دی گئی ہیں۔

آگے چل کر اللہ تعالیٰ اس بچی (بی بی مریم) کی پرورش اور نگہداشت کے بارے میں سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۳۷ میں فرماتا ہے:

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۳۷

(ترجمہ) تو پروردگار نے اس لڑکی کو پسندیدگی کے ساتھ قبول فرمایا اور اسے اچھی طرح پرورش کیا۔ اور حضرت زکریا علیہ السلام کو اُس کا سرپرست بنایا۔ حضرت زکریا علیہ السلام جب کبھی عبادت گاہ میں اس کے پاس جاتے تو اس کے پاس کھانا پاتے۔ (یہ کیفیت دیکھ کر وہ ایک دن مریم سے) پوچھنے لگے کہ مریم یہ کھانا تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے۔ وہ بولیں کہ اللہ کے ہاں سے (آتا ہے) بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔

اس واقعہ نے حضرت زکریا علیہ السلام کے دل و دماغ پر بہت گہرا اثر کیا۔ انہوں نے اس

واقعہ کو اللہ کی طرف سے تائید غیبی خیال کر کے اپنے لئے بھی ایک نیک اور صالح اولاد کی دُعا مانگی، حالانکہ وہ بوڑھے ہو چکے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے سوچا، کہ جو پروردگار اس بچی (مریم) کے لئے موسم اور بے موسم پھلوں کا کثیر مقدار میں انتظام کرسکتا ہے، وہ اللہ مجھے بڑھاپے کے باوجود اولاد سے نواز سکتا ہے۔ سورۃ آل عمران: ۳۸

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾

(ترجمہ) اس وقت زکریا نے اپنی پروردگار سے دعا کی (اور) کہا کہ پروردگار مجھے اپنی جناب سے اولاد صالح عطا فرما۔ تو بے شک دعا سننے (اور قبول کرنے) والا ہے۔

یہاں یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ شادی کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے نیک اور صالح اولاد طلب کرے۔ تا کہ مسلمان اپنی اولاد کو اسلامی طور طریقہ سے پروان چڑھا کر اسلام کی خدمت کرنے کے لائق بنائے۔ اس لئے اللہ کے برگزیدہ انبیاء بوڑھے ہونے کے باوجود بھی نیک اولاد کی دعا مانگا کرتے تھے، تا کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی اولاد دین کے کام کو ترقی دیں اور آگے بڑھائیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا قبول فرمائی۔ آل عمران: ۳۹

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

(ترجمہ) وہ ابھی عبادت گاہ میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے کہ فرشوں نے آواز دی۔ کہ (زکریا) اللہ تمہیں یحییٰ علیہ السلام کی بشارت دیتا ہے جو اللہ کے حکم (یعنی عیسیٰ) کی تصدیق کریں گے اور سردار ہوں گے وہ پارسا اور (اللہ کے) پیغمبر اور نیکو کاروں میں سے ہونگے۔

زکریا علیہ السلام نے بیٹے کی خوشخبری سن کر حیرانگی سے کہا۔ سورۃ آل عمران: ۴۰۔۴۱

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ

اللّٰہُ یَفۡعَلُ مَا یَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّیۡۤ اٰیَۃً ؕ قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَۃَ
اَیَّامٍ اِلَّا رَمۡزًا ؕ وَ اذۡکُرۡ رَّبَّکَ کَثِیۡرًا وَّ سَبِّحۡ بِالۡعَشِیِّ وَ الۡاِبۡکَارِ ﴿۴۱﴾

(ترجمہ) زکریا نے کہا اے پروردگار میرے ہاں لڑکا کیونکر پیدا ہوگا کہ میں تو بوڑھا ہوگیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ اللہ نے فرمایا اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ حضرت زکریا نے کہا کہ پروردگار (میرے لیے) کوئی نشانی مقرر فرما۔ اللہ نے فرمایا نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن اشارے کے سوا بات نہ کرسکو گے تو (اُن دنوں میں) اپنے پروردگار کی کثرت سے یاد کرنا اور صبح وشام اس کی تسبیح کرنا۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ وہ دُعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں، جو بندے مسجد میں نماز ادا کرکے اپنے رب سے مانگتے ہیں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ حضرت زکریا علیہ السلام کو بڑھاپے میں اولاد عطا فرما کر تمام بنی نوع انسان کو یہ بتادینا چاہتا ہے کہ جس طرح وہ زکریا علیہ السلام کو ضعیفی میں اولاد عطا کرسکتا ہے، بالکل اسی طرح بی بی مریم کو بھی اولاد عطا کرسکتا ہے، جبکہ بی بی مریم کے جسم اطہر پر کسی مرد کا سایہ تک نہیں پڑا۔

اب ہم بی بی مریم علیہا السلام کو ایک بالغ عورت کی شکل میں دیکھتے ہیں۔ سورۃ آل عمران: ۴۲۔۴۳

وَ اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرۡیَمُ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰکِ وَ طَہَّرَکِ وَ اصۡطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ
الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۲﴾ یٰمَرۡیَمُ اقۡنُتِیۡ لِرَبِّکِ وَ اسۡجُدِیۡ وَ ارۡکَعِیۡ مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ ﴿۴۳﴾

(ترجمہ) اور جب فرشوں نے (مریم سے) کہا کہ مریم! اللہ نے تم کو برگزیدہ کیا ہے، اور پاک بنایا ہے اور جہان کی عورتوں میں سے منتخب کیا ہے۔ مریم اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرنا اور سجدہ کرنا اور رکوع کرنیوالوں کے ساتھ رکوع کرنا۔

پس جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی خاص بندے پر اپنی مزید عنایات کرتا ہے، تو اس شخص کو چاہئے کہ وہ اور زیادہ اللہ کی اطاعت گزار ہو جائے۔ رکوع کرنے والوں کے ہمراہ رکوع کرنے کا مطلب ہے کہ باجماعت نماز ادا کرنے کا اہتمام کریں۔ سورۃ آل عمران: ۴۵۔۴۶

اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنۡهُ ۖ اسۡمُهُ الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى
ابۡنُ مَرۡيَمَ وَجِيۡهًا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ۝۴۵ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الۡمَهۡدِ
وَكَهۡلًا وَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۝۴۶

(ترجمہ) (وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب فرشتوں نے (مریم سے کہا) کہ مریم اللہ تم کو ''کلمہ من اللہ'' کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح (اور مشہور) عیسیٰ بن مریم ہوگا (اور جو) دنیا اور آخرت میں باآبرو اور (اللہ کے) خاصوں میں سے ہوگا، اور ماں کی گود (گہوارہ) میں اور بڑی عمر کا ہوکر (دونوں حالتوں میں) لوگوں سے (یکساں) گفتگو کرے گا اور نیکو کاروں میں ہوگا۔

مریم کو یہ سن کر انتہائی تعجب ہوا! آپ علیہا السلام نے کہا: سورۃ آل عمران: ۴۷

قَالَتۡ رَبِّ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ وَلَدٌ وَّ لَمۡ يَمۡسَسۡنِىۡ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخۡلُقُ مَا
يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ۝۴۷

(ترجمہ) مریم نے کہا: پروردگار میرے ہاں بچہ کیونکر ہوگا کہ کسی انسان نے مجھے ہاتھ تو لگایا نہیں۔ فرمایا کہ اللہ اسی طرح جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو ارشاد فرما دیتا ہے ''ہو جا'' تو وہ ہو جاتا ہے۔

لہٰذا اسی بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ کہا جاتا ہے، کہ اللہ کے صرف ''کُن فیکُون'' فرما دینے سے پیدا ہوئے تھے۔ اس بارے میں قرآن حکیم ہمیں انتہائی تفصیل سے بتاتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو حمل کس طرح قائم ہوا، اور انہوں نے حمل کے دوران کیا کیا۔ سورۃ مریم آیات ۱۶۔۲۶

وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ مَرۡيَمَ ۘ اِذِ انۡتَبَذَتۡ مِنۡ اَهۡلِهَا مَكَانًا شَرۡقِيًّا ۝۱۶ فَاتَّخَذَتۡ
مِنۡ دُوۡنِهِمۡ حِجَابًا ۚ فَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهَا رُوۡحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝۱۷ قَالَتۡ اِنِّىۡۤ اَعُوۡذُ
بِالرَّحۡمٰنِ مِنۡكَ اِنۡ كُنۡتَ تَقِيًّا ۝۱۸ قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا
زَكِيًّا ۝۱۹ قَالَتۡ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ غُلٰمٌ وَّ لَمۡ يَمۡسَسۡنِىۡ بَشَرٌ وَّ لَمۡ اَكُ بَغِيًّا ۝۲۰ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ

قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَ لِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَ كَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾
فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ
يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ
جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا
جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِيْ وَ اشْرَبِيْ وَ قَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ
نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ ۚ

(ترجمہ) اور کتاب (قرآن) میں مریم کا حال بھی بیان کرو۔ جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہوکر مشرق کی طرف چلی گئیں، تو انہوں نے اُن کی طرف سے پردہ کرلیا۔ (اُس وقت) ہم نے اُن کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا۔ تو وہ اُن کے سامنے ٹھیک آدمی (کی شکل) بن گیا، مریم بولیں اگر تم پرہیز گار ہوتو میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں، انہوں نے کہا کہ میں تو تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا (یعنی فرشتہ) ہوں (اور اسلئے آیا ہوں) کہ تمہیں پاکیزہ لڑکا بخشوں، مریم نے کہا کہ میرے ہاں لڑکا کیونکر ہوگا جب مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور میں بدکار بھی نہیں ہوں، (فرشتے نے) کہا کہ یونہی (ہوگا) تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ یہ مجھے آسان ہے۔ اور (میں اُسے اسی طریق پر پیدا کرونگا) تاکہ اُسکو لوگوں کے لئے اپنی طرف سے نشانی اور (ذریعہ) رحمت اور (مہربانی) بناؤں اور یہ کام مقرر ہو چکا ہے، تو وہ اُس (بچے) کیساتھ حاملہ ہوگئیں اور اسے لیکر دُور جگہ چلی گئیں، پھر حمل کے درد کی شدت اُن کو کھجور کے تنے کی طرف لے آئی۔ کہنے لگیں کہ کاش میں اس سے پہلے مرجاتی اور بے نام ونشان ہو جاتی۔ اس وقت اُن کے نیچے کی جانب سے فرشتے نے ان کو آواز دی کہ غمناک نہ ہو۔ تمہارے پروردگار نے تمہارے نیچے ایک چشمہ جاری کردیا ہے، اور کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تم پر تازہ تازہ کھجوریں جھڑ پڑیں گی، تو کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو اگر تم کسی آدمی کو دیکھوتو کہنا کہ میں نے اللہ کے لئے روزے کی منت مانی ہے تو آج میں کسی آدمی سے ہرگز بات نہ کروں گی۔

ہم دیکھتے ہیں، کہ مریم علیہا السلام سے کھجور کا درخت ہلا کر میوہ حاصل کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں اپنی پوری کوشش کر کے اپنی روزی حاصل کرنا چاہیئے۔ یہ کوشش اللہ پر توکل کے منافی نہیں ہے۔ تقریباً چالیس دن بعد مریم علیہا السلام اپنے بیٹے کو گود میں لئے ہوئے بستی میں واپس تشریف لے آئیں۔ مریم علیہا السلام اور بستی کے لوگوں کے درمیان جو بات چیت ہوئی، اُسے قرآن حکیم نے سورۃ مریم کی آیات نمبر ۲۷ سے ۳۲ تک میں بیان فرمایا ہے۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا ﴿۲۷﴾ یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ﴿ۖۚ۲۸﴾ فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ؕ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ۫ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿ۙ۳۰﴾ وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴿۳۱﴾ۖ وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ۫ وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾

(ترجمہ) پھر وہ اس (بچے) کو اُٹھا کر اپنی قوم کے لوگوں کے پاس لے آئیں۔ وہ کہنے لگے کہ مریم یہ تو تُو نے بُرا کام کیا، اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ ہی بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی، تو مریم نے اُس لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بولے کہ ہم اس سے جو گود کا بچہ ہے کیوں کر بات کریں۔ بچے نے کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اُس نے مجھے کتاب دی ہے۔ اور نبی بنایا ہے، اور میں جہاں ہوں (اور جس حال میں ہوں) مجھے صاحب برکت کیا ہے۔ اور جب تک زندہ ہوں مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے، اور (مجھے) اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنیوالا بنایا ہے، اور سرکش و بدبخت نہیں بنایا۔

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو پہلی بات اپنی زبان سے ادا کی، وہ یہ تھی، کہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بندہ اور رسول ہوں۔ لہٰذا ہمیں کسی بھی حالت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا ساتھی یا بیٹا نہیں بنانا چاہیئے۔ دوسری بات یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان کے

مطابق نماز اور زکوٰۃ ہر امت پر لازم تھی۔ پس ہمیں بھی نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا بے حد اہتمام کرنا چاہیئے۔

ہم نے بی بی مریم علیہا السلام کو ایک بچی کی شکل میں دیکھا، ان کی پرورش کو دیکھا۔ ان کی جوانی دیکھی! پھر انہیں ایک ماں کی شکل میں دیکھا۔ اس میں اللہ کی خوشنودی چاہنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ یہ بھی صاف ہوگیا کہ اصل بی بی مریم علیہا السلام اور عیسائیوں کی پیش کی ہوئی میری میں کوئی مطابقت نہیں ہے۔ اللہ ہم سب کو شرک سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

# حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیتیں (حصہ اوّل)

اللہ تعالیٰ سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۱۵۱ میں فرماتا ہے:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ ۚ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

(ترجمہ) کہہ کہ (لوگو) آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہیں کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنانا۔ اور ماں باپ سے (بدسلوکی نہ کرنا بلکہ) نیک سلوک کرتے رہنا اور ناداری (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ اُن کے پاس نہ پھٹکنا۔ اور کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا۔ مگر جائز طور پر (یعنی جس کا شریعت حکم دے) ان کا تم کو تاکیدی حکم دیا ہے۔ تاکہ تم سمجھو۔

اس آیت میں اور آگے آنے والی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے لفظ ''وصیت'' تین بار استعمال فرمایا ہے گویا اللہ تعالیٰ انتہائی زور دیکر ہم کو ان احکامات کی مکمل طور پر پیروی کرنے کی ہدایت فرما رہا ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت دیکھنا چاہے، جس پر ان کی مہر ثبت ہے، تو اسے چاہئے کہ سورۃ الانعام کی آیات نمبر ۱۵۱۔ ۱۵۳ کا مطالعہ کرے، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اُمت کے لئے چھوڑ گئے ہیں۔

اور حکمؒ نے لکھا ہے کہ عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''کوئی ہے جو ان تین آیات میں

دیئے گئے احکامات پر چلنے کا وعدہ کرے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا: ''جو ان احکامات پر چلنے کا وعدہ کرے گا اللہ نے اُس سے بہت بڑے انعام کا وعدہ کر رکھا ہے۔''

ان تین آیات کریمہ میں دس چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن حکیم کی دعوت کا انداز ہ منفی نہیں بلکہ ہمدردانہ اور ناصحانہ ہے۔ آیت کچھ یوں شروع ہوتی ہے: ''آؤ میں تمہیں بتاؤں'' گویا بُلانے والا کسی بلند جگہ پر کھڑے ہو کر پستی میں کھڑے ہوئے لوگوں کو بلندی پر آنے کی دعوت دے رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: آؤ میں تمہیں بتاؤں، کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کون کون سی باتوں سے روکا ہے۔ اور اس بات پر زور دیا جارہا ہے کہ تم اپنی مرضی سے حرام کو حلال، اور حلال کو حرام قرار مت دو۔ اس جامع بیان کے بعد حرام کے احکام کو باری باری واضح کیا گیا ہے۔

پہلا حکم یہ ہے یہود و نصاریٰ کی طرح اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اور جلی شرک کے علاوہ خفی شرک سے بھی بچو۔ مثلاً مندرجہ ذیل بھی شرک میں شامل ہیں۔

اس بات پر ایمان رکھنا جو کچھ کرتا ہے اللہ کرتا ہے، مگر کسی امر میں اپنی کامیابی کا موجب دوسروں کو سمجھنا۔

دکھاوے کے طور نماز ادا کرنا۔

اپنی ذاتی بڑائی، اور شہرت کے لئے خیرات کرنا۔

سب سے پہلے شرک سے بچنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ یہ گناہ کبیرہ ہے۔ اور کسی صورت میں معاف نہیں کیا جائے گا۔ عبادہ بن صامتؓ اور ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں، تمہیں پھانسی پر لٹکا دیا جائے، یا تمہیں زندہ جلا دیا جائے تب بھی اللہ کی ذات کے ساتھ شرک کا ارتکاب نہ کرو۔''

دوسرا حکم ہمیں اپنے والدین سے اچھا سلوک کرنے کا دیا گیا ہے۔ اللہ چاہتا تو یہاں کہہ سکتا تھا کہ ''اپنے والدین کا حکم مت ٹالو'' مگر قرآن کا بیان بڑا جامع ہے یہ کہ نہ صرف ان کا کہنا مانو بلکہ ان کے ساتھ اتنے اچھے سلوک سے پیش آؤ تا کہ تمہارے ماں باپ تم سے خوش ہو

جائیں، راضی ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے۔ بنی اسرائیل: ۲۳

وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ﴿۲۳﴾

(ترجمہ) اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ سے حسن سلوک کرو اور ان میں سے ایک یا وہ دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں ان سے اُف بھی نہ کرو۔ اور انہیں نہ جھڑکو اور اُن دونوں سے ادب کے ساتھ بات کرو۔

اللہ تعالیٰ سورۃ لقمان کی آیت نمبر ۱۴ میں بھی فرماتا ہے:

اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْكَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ

(ترجمہ) میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

ان تمام آیات میں حقوق اللہ کے فوراً بعد والدین کے حقوق کا ذکر ہے۔ پس اللہ کے نزدیک والدین کے حقوق کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل کون سا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''نماز وقت مقررہ پر ادا کرنا''، میں نے پوچھا اس کے بعد؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔'' میں نے پھر پوچھا اس کے بعد؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔'' (صحیحین)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک بار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لگاتار تین بار ارشاد فرمایا: ''وہ غارت ہو گیا؟'' ہم نے پوچھا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کون غارت ہو گیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''غارت ہو گیا وہ جس نے اپنے بوڑھے ماں یا باپ یا پھر دونوں کو پایا، لیکن ان کی اطاعت، فرمانبرداری، عزت واحترام کر کے اُن کی ہر طرح سے دلجوئی، اور مدد

کر کے اپنے لئے جنت نہیں خریدی!'' یعنی وہ جنت میں داخل نہ ہوا۔ (مسلم)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے بھی بوڑھے والدین کی خوش اسلوبی سے خدمت کی اسے ضرور جنت ملے گی۔ بوڑھے والدین کی قید اس لیے لگا دی کیوں کہ اس عمر میں وہ کمزور اور محتاج ہوتے ہیں اور ہمارے سہارے کے طالب۔

تیسرے حکم میں اللہ تعالیٰ بچوں کے حقوق بیان فرماتا ہے۔ ہمیں غربت اور تنگدستی سے گھبرا کر اپنی اولاد کو قتل نہیں کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ان بچوں کے بھی رزق کا پورا انتظام اسی طرح فرمائے گا جس طرح تمہارے لئے رزق کا انتظام فرماتا ہے۔ سورۃ اسراء: ۳۱

وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾

(ترجمہ) اپنی اولاد کو ناداری کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم ان کو رزق دیتے ہیں، اور تم کو بھی! بے شک ان کا قتل بڑا گناہ ہے۔

یہاں اشارہ اس بات کی طرف ہے، کہ چونکہ بچے نسبتاً کمزور ہوتے ہیں اور رزق کے زیادہ حقدار ہیں اور اللہ تعالیٰ بچوں کے واسطے سے تم کو بھی رزق دیتا ہے، پس یہ اولادیں تمہارے لئے اللہ کی رحمت ہیں، نہ کہ تمہارے اوپر بوجھ ہیں۔ علاوہ ازیں مت بھولئے کہ سب کا رازق تو اللہ ہی ہے۔

مثلاً ایک دانے یا بیج کو ہی دیکھ لو، یہ ایک تناور درخت میں تبدیل ہو کر پھل دیتا ہے۔ والدین تو اس درخت کو پروان نہیں چڑھاتے، اسی طرح اللہ تم کو بھی بے حساب رزق عطا فرمائے گا۔

اگر ہم سب اپنی اولاد کو اسلام کی تعلیم و تربیت نہ دیں گے تو گویا ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ کیونکہ قرآن ایسے شخص کو ''مردہ'' قرار دیتا ہے جو اپنی اولاد کو صحیح اسلامی تعلیم سے روشناس نہیں کراتے۔ پس ایسے والدین اپنی ہی اولاد کو روحانی طور پر جان سے مار دیتے ہیں، جو جسمانی طور پر جان لینے سے بھی بڑا گناہ ہے۔ پس اولاد کو رزق کے ڈر سے نہ مارو اور نہ ہی

روحانی طور پر مارو۔

چوتھے حکم میں اللہ ہم کو ظاہری اور باطنی طور پر بُرائیوں سے روکنا چاہتا ہے۔ ظاہری برائی سے مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی زبان اپنے ہاتھ یا پاؤں سے کوئی غلط کام نہ کریں۔ باطنی برائی کی مثال لالچ، جھوٹ، حسد اور بےصبری وغیرہ ہیں! حضورﷺ فرماتے ہیں جو شخص برائیوں کے قریب جاتا ہے باآخر ان میں ملوث ہو جاتا ہے۔ پس ہمیں ہر برائی سے دور رہنا چاہئے۔

پانچویں حکم میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ناحق قتل سے منع کیا ہے۔ حضورﷺ کا ارشاد ہے: ''کسی مسلمان کا خون حلال نہیں سوائے مندرجہ ذیل تین کے۔ ۱۔ شادی شدہ شخص بدکاری میں مبتلا ہو جائے۔ ۲۔ اگر اس نے کسی کو ناحق قتل کر دیا ہو، اس کے قصاص میں مارا جائے اور ۳۔ جو قبولِ اسلام کے بعد پھر کافر ہو جائے۔'' (بخاری و مسلم)

حضرت عثمان ابن عفانؓ کو جب لوگ قتل کرنے آئے تو آپ نے اسی حدیث کا حوالہ دیا تھا اور فرمایا میں نے مندرجہ بالا تین جرموں میں سے کوئی جرم نہیں کیا۔ تم مجھے کیوں قتل کرنے کے درپے ہو۔ درحقیقت اسلام میں کسی کافر کو بھی بغیر کسی وجہ کے قتل کرنا منع ہے۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسولﷺ نے فرمایا جو کوئی ذمی غیر مسلم کو قتل کر دے اس نے اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑ دیا اور جو شخص اللہ کے عہد کو توڑ دے وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا۔ حالانکہ جنت کی خوشبو ستر سال کی مسافت تک پہنچتی ہے۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان احکام کی پوری پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

# حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وصیتیں (حصہ دوم)

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں۔سورۃ الانعام: ۱۵۲۔ ۱۵۳

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

(ترجمہ) اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریقے سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔ اور ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو۔ ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق۔ اور جب (کسی کی نسبت) کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو گو وہ (تمہارا) رشتہ دار ہی ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ ان کا تم کو تاکیدی حکم دیا ہے۔ تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے تو تم اس پر چلنا۔ اور اَور رستوں پر نہ چلنا کہ (ان پر چل کر) اللہ کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے۔ ان کا تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیز گار بنو۔

سب سے پہلے جو حکم ہمیں دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ یتیم کے مال کی حفاظت کریں۔ ہمیں یتیم کے مال کی اس وقت تک نگرانی کرنے کا حکم ہے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے۔ علماء کا خیال ہے کہ پندرہ سال کی عمر سے بلوغ کے آثار شروع ہو جاتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہمیں اس وقت تک انتظام کرنا چاہئے جب تک وہ یتیم سن بلوغ کو پہونچنے کے بعد بھی اس مال کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کے قابل نہ ہو جائے۔ اور اگر کسی یتیم کا دماغ بالکل ہی ماؤف نہیں (یعنی وہ دیوانہ نہیں ہے) اس صورت میں پچیس سال کی عمر کو پہونچتے ہی اس یتیم کا مال اس

کے سپرد کر دینا چاہئے۔ چند علماء کا خیال ہے کہ دیوانے یتیم کا مال حکومت وقت کی تحویل میں دیدینا چاہئے کہ وقت مقررہ تک یہ مال بحفاظت حکومت کے پاس رہ سکے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ سورۃ النساء آیات نمبر ٦ میں فرماتا ہے: ''جب کوئی یتیم نہ صرف بالغ ہو جائے اور اگر اس کی عقل میں پختگی پاؤ تو اس کا مال اس کے حوالے کر دو۔''

اللہ تعالیٰ سورۃ النساء کی آیت ۱۰ میں یہ بھی فرماتا ہے کہ ''جو لوگ یتیم کا مال کھاتے ہیں وہ گویا اپنا پیٹ دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ سے بھرتے ہیں۔''

دوسرا حکم یہ ہے کہ ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی امت اسی لئے تباہ کر دی گئی کہ وہ لوگ ماپ اور تول میں بے ایمانی کیا کرتے تھے۔ سوید بن قیسؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: زن وأرجع (ابوداؤد۔ ترمذی)

یعنی تولو تو وزن سے کچھ زیادہ ہی دیا کرو۔

نوٹ فرمایئے جب ہم اپنی نوکری کو ایمانداری سے نہیں نبھاتے تو گویا ہم تولنے میں کمی کرتے ہیں۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ اس نرم دل تاجر پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے جو تولتے وقت کچھ زیادہ ہی تولتا ہے، اور اس رحمدل خریدنے والے پر بھی اللہ رحمتیں نازل فرمائے جو کسی حد تک کم تولا ہوا بھی قبول کر لیتا ہے۔'' (بخاری)

تیسرے حکم میں اللہ تعالیٰ ہمیں سچ بولنے کی ہدایت دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ جو کچھ بھی کہو ہمیشہ سچ کہو چاہے وہ تمہارے اپنے قرابت دار کے بارے میں ہی کیوں نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جھوٹی گواہی دینا ایسا ہے جیسے تم نے اللہ کی ذات واحد میں کسی کو شریک کر لیا۔'' (ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

گواہی اور شہادت کے بارے میں قرآن حکیم ہمیں ہدایت کرتا ہے۔ سورۃ النساء: ۱۳۵

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۖ

(ترجمہ) اے مومنو! انصاف کے علمبردار بنو۔ اللہ کے لئے گواہی دینے والے۔ خواہ وہ گواہی تمہاری اپنی ذات کے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ چاہے کوئی مال دار ہو یا محتاج۔ (بہرحال) اللہ ان کا (سب سے بڑھ کر) خیر خواہ ہے۔

اسلام اعلیٰ ترین اخلاق کی تلقین کرتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے۔ سورۃ المائدۃ: ۸

وَ لَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعۡدِلُوۡا ؕ اِعۡدِلُوۡا ۟ هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی ۫

(ترجمہ) کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات سے باز نہ رکھے۔ کہ تم انصاف کرو۔ انصاف کرو یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے وعدے وفا کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے۔ سورۃ البقرہ: ۱۷۷

وَ الۡمُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِهِمۡ اِذَا عٰهَدُوۡا ۚ

(ترجمہ) اور جب عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں۔

یہ بات غور طلب اس لئے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جہاں تک وعدے وفا کرنے کی بات ہے بعض کفار بھی بعض اوقات اپنے کئے ہوئے وعدے وفا کیا کرتے تھے۔ لہٰذا مسلمانوں (ایمان والو) کو اس کی اور زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ کیونکہ وعدہ وفائی مخلص مومن کے اوصاف میں سے ایک وصف ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورۃ المعارج: ۳۲

وَ الَّذِیۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَ عَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ ﴿۳۲﴾

(ترجمہ) اور جو اپنی امانتوں اور اقراروں کا پاس کرتے ہیں۔

سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۱۵۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہی ہے میرا سیدھا راستہ لہٰذا اس پر ہی چلو کوئی دوسری راہ اختیار مت کرو، جو تم کو صراط مستقیم سے دور لے جائے گی۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک بار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین پر ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا ''یہ سیدھا راستہ اللہ کا راستہ ہے، پھر اس کے اردگرد بہت سی دوسری لکیریں بنا کر فرمایا یہ راستے سب شیطان کے راستے ہیں'' پھر آپ نے سورۃ الانعام کی آیات ۱۵۲۔ ۱۵۳ تلاوت فرمائیں۔

سورۃ الانعام کی آیات ۱۵۱۔ ۱۵۳ کا لب لباب یہ ہے: پہلی آیت ۱۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ ۲۔ والدین کا حکم مانو۔ ۳۔ اپنے بچوں کی (روحانی اور جسمانی طور پر) جان نہ لو۔ ۴۔ ظاہری اور باطنی برائیوں سے بچو اور ۵۔ ناحق کسی انسان کو قتل نہ کرو۔ پھر اللہ فرماتا ہے ''تاکہ تم سمجھ سکو'' کیونکہ اسلام سے پہلے لوگ ان باتوں کو سمجھنے کی بالکل کوشش نہیں کرتے تھے۔ اللہ چاہتا ہے کہ ہم مندرجہ بالا ہدایات کو سمجھنے کی کوشش کر کے ان پر عمل کریں، یعنی عقل سلیم کا استعمال کریں۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ

دوسری آیت میں چار ہدایات درج ہیں۔ ۱۔ یتیم کا مال مت کھاؤ۔ ۲۔ ماپ تول میں انصاف کرو۔ ۳۔ حق بات کرو اور حق (سچائی) کا ساتھ دو۔ ۴۔ صراطِ مستقیم پر چلو۔ یہ باتیں ایسی ہیں جن کی اچھائی میں کسی کو بھی اعتراض نہیں۔ لیکن ہم ان کو معمولی جان کر ان سے غفلت کرتے ہیں۔ لاپرواہی کی صورت میں یاددہانی کرائی جاتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ اس آیت کے آخر میں فرماتا ہے ''تمہیں خبردار کیا جاتا ہے (یاددہانی کے طور پر) تاکہ تم بھول نہ جاؤ۔''

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ تیسری آیت میں ہمیشہ سیدھا راستہ چلنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ یہ اس صورت میں ممکن ہے، جب ہم تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کریں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔

ان تینوں آیات میں دس احکامات دئے گئے ہیں۔ کعب احبارؓ قبول اسلام سے پہلے یہودی تھے، اور تورات کے بہت بڑے عالم تھے، فرماتے ہیں: ''تورات ان ہی دس احکامات سے شروع ہوتی ہے اور یہی دس احکامات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے۔''

بقول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے یہی آیات ''محکمات'' ہیں جن کا ذکر سورۃ آل عمران میں آیا ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیاء علیہ السلام کو یہی بنیادی دس احکامات دیے گئے تھے۔ کسی بھی رسول کی شریعت ان سے خالی نہیں رہی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس وصیت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

# اللہ کی راہ میں خرچ کرنا

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، ہر سچے اور متقی مومن کا وصف ہے۔ اللہ نہ صرف ہمیں اپنی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے بلکہ ہمیں نہایت دلکش انداز سے اس نیکی کی طرف مائل بھی کرتا ہے۔ سورۃ البقرہ: ۲۵۶

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٦٥﴾

(ترجمہ) اور جو لوگ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور خلوص نیت سے اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک باغ کی سی ہے جو اونچی جگہ پر واقع ہو جب اس پر مینہ پڑے تو دگنا پھل لائے اور اگر مینہ نہ بھی پڑے تو خیر پھوار ہی سہی اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو زبان سے کہہ دینا اور بات ہے لیکن ایسا کرنے کے لئے مضبوط قوت ارادی اور اخلاص کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس طرح خرچ کرنے میں انسان کو روحانی ترقی ملتی ہے! اس کے علاوہ اللہ کے راستے میں خرچ کی گئی تھوڑی سی رقم بھی بہت بڑے اجر کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مختلف طریقوں سے ہمیں اس نیکی کی طرف مائل فرماتا ہے۔ سورۃ الحدید: ۷

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿٧﴾

(ترجمہ) (تو) اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور جس (مال) کا اس نے تم کو (اپنا) نائب بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو۔ اور جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور (مال)

خرچ کرتے رہے ان کے لئے بڑا ثواب ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ ہمیں بتلا رہا ہے کہ جو مال و دولت آج تمہارے پاس ہے یہی تم سے پہلے کسی اور کی ملکیت تھی اور یہی دولت آگے چل کر کسی دوسرے کی ہو جائے گی۔ یہ جان لینا چاہیئے کہ اللہ نے یہ مال و دولت عارضی طور پر ہمارے سپرد کیا ہے۔ لہٰذا ہمیں اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں قطعاً تامل نہیں ہونا چاہیئے۔ جو مومن اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کریں گے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس اجر عظیم ہے۔ اور اگر ایک کافر اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتا ہے، تو اس کے لئے بروز قیامت کسی قسم کا کوئی انعام و اکرام نہیں ہوگا۔ ہاں اسے دنیاوی طور پر کچھ عارضی عزت، شہرت اور انعام مل جائے تو بات دوسری ہے۔ پس قیامت کے روز اجر کے لئے ایمان ہونا ضروری ہے۔ سورۃ الحدید: ۱۰

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط

(ترجمہ) اور تم کو کیا ہوا ہے کہ اللہ کے رستے میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی وراثت اللہ ہی کی ہے۔

اسی طرح ایک اور منطقی طریقے سے اللہ تعالیٰ ہمیں راہ اللہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں کہ کیا آسمان کا کوئی حصہ انسان کی ملکیت ہے۔ یقیناً نہیں، اسی طرح اگر ہم کہیں کہ یہ گھر، یہ کار، یہ زمین، یہ دوکان میری ملکیت ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ زمین اور آسمان پر اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے صرف اور صرف اللہ کی میراث ہے۔ لہٰذا ہمیں اس کے دیئے ہوئے مال سے اس کی راہ میں خرچ کرنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں ہونا چاہیئے۔ پس اللہ تعالیٰ ہمیں دعوت دے رہا ہے۔ سورۃ الحدید: ۱۱

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۱﴾ ج

(ترجمہ) کون ہے جو اللہ کو نیک نیتی (اور خلوص سے) قرض دے تو وہ اس کو اس سے کئی گنا بڑھا کر ادا کرے اور اس کے لئے بہترین اجر (یعنی جنت) ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کسی شخص کو سونے سے

بھری ہوئی وادی مل جائے تب بھی وہ مطمئن نہیں ہوگا۔ بلکہ ایک اور ایسی وادی کی خواہش کرے گا۔ درحقیقت ایسے آدمی کا منہ صرف قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے(بخاری) ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث اس قدر دہرائی کہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ کہیں یہ قرآن کی آیت تو نہیں! یہاں تک کہ سورۃ التکاثر نازل ہوگئی۔سورۃ التکاثر: ۱۔۸

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُۙ ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَؕ ﴿۲﴾ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَۙ ﴿۳﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَؕ ﴿۴﴾ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِؕ ﴿۵﴾ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَۙ ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِۙ ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾

(ترجمہ) (لوگو) تم کو (مال کی) بہت سی طلب نے غافل کر دیا۔ یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔ دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ پھر دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ دیکھو اگر تم جانتے (یعنی) علم الیقین (رکھتے تو غفلت نہ کرتے)۔تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے۔ پھر اس کو (ایسا) دیکھو گے (کہ) عین الیقین (آجائے گا) پھر اس روز تم سے (شکر) نعمت کے بارے میں پرسش ہوگی۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: ''تم کو ہر روز قرآن کریم کی کم از کم ایک ہزار آیات پڑھنی چاہیے۔'' صحابہ کرامؓ نے فکرمندی سے عرض کیا یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوسکتا ہے کسی دن ہم ایک ہزار آیات نہ پڑھ سکیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم ایک بار سورۃ التکاثر نہیں پڑھ سکتے۔ (المظہری) اس کا یہ مطلب ہے کہ اس جامع سورۃ میں دی گئی ہدایت ایک ہزار آیات کی ہدایت کے برابر ہے۔

انسان کا خاصہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرے۔لیکن ہمارے لئے زکوٰۃ دینا فرض کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کا ذکر کئی بار کیا ہے! خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تو زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے خلاف جنگ تک کا اعلان کر دیا تھا، جبکہ وہ لوگ نماز اور روزوں کی پابندی کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔سورۃ مزمل: ۲۰

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًاؕ

(ترجمہ) اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو نیک (اور خلوص نیت سے قرض دیتے رہو۔

اللہ ہمیں ترغیب دے رہا ہے کہ ہم نماز کے ساتھ ساتھ باقاعدہ زکوٰۃ بھی ادا کرتے رہیں اور زکوٰۃ کے علاوہ صدقات بھی کیا کریں۔ صرف زکوٰۃ پر ہی اکتفانہ کریں۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے اوصاف کا ذکر قرآن میں مختلف مقامات پر کیا ہے۔ سورۃ الذاریات: ۱۷۔۱۹

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾ وَبِالْاَسْحَارِهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿١٨﴾ وَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿١٩﴾

(ترجمہ) وہ یعنی اللہ کے نیک بندے رات کے تھوڑے سے حصے میں سوتے تھے۔ اور اوقات سحر میں بخشش مانگا کرتے تھے۔ اور ان کے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے (دونوں) کا حق ہوتا تھا۔

اسی طرح دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورۃ المعارج: ۲۴۔۲۵

وَ الَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿٢٤﴾ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿٢٥﴾

(ترجمہ) اور جن کے مالوں میں حصہ مقرر ہے (یعنی زکوٰۃ) مانگنے والے اور نہ مانگنے والوں کے لئے۔

یاد رکھئے زکوٰۃ کی اڑھائی فیصد مقدار اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہے۔ اس میں قیامت تک کمی بیشی نہیں کی جاسکتی۔ خرچ کرنے کا مخلصانہ طریقہ یہ ہے۔ سورۃ الدھر: ۸۔۹

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ﴿٨﴾ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴿٩﴾

(ترجمہ) فقیروں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم تم کو خالص اللہ کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم سے کوئی بدلہ اور نہ ہی شکریہ چاہتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ اللہ کی ہدایت پر فی الفور عمل پیرا ہوتے تھے۔ سورۃ آل عمران: ۹۲

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ

(ترجمہ) مومنو! جب تک ان چیزوں میں سے جو تمہیں محبوب ہیں (اللہ کی راہ میں) صرف نہ کرو گے کبھی نیکی حاصل نہ کرسکو گے۔

جیسے ہی یہ آیت ابودرداءؓ نے سنی دوڑے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور اپنا بہترین باغ اللہ کی راہ میں خیرات کر دیا۔ اسی طرح یہ آیت کریمہ سنتے ہی زید بن حارثؓ نے اپنی سواری کا بہترین گھوڑا اللہ کی راہ میں دے دیا۔

کبھی کبھی ہمارے دماغ میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنی کم عمری میں یتیم کیوں کر دیا؟ اغلباً اللہ اپنے لاڈلے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ سبق دینا چاہتا ہوتا کہ دیکھو ایک یتیم کی زندگی کیسی ہوتی ہے! یہ تربیت ایسے شخص کے لئے ضروری بھی تھی جو آگے چل کر سارے جہان کے لئے رحمۃ اللعالمین کے لقب سے نوازا جانے والا تھا۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو زکوٰۃ اور صدقات ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین ثم آمین یا ربّ اللعالمین)

# مومن کے اوصاف

ایک مسلمان کسی یہودی یا نصاریٰ کی طرح یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ ضرور جنت میں ہی جائے گا۔ جنت میں داخلہ صرف اور صرف اللہ کے رحم وکرم پر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورۃ آل عمران: ۱۰۷

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

(ترجمہ) اور (قیامت کے دن) جن لوگوں کے منہ سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت (کے باغوں) میں ہوں گے اور ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہاں جنت کی جگہ لفظ رحمت استعمال ہوا ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جنت میں داخلہ صرف اللہ کی رحمت سے ہی ہوگا۔ سورۃ المعارج: ۱۹۔۲۱

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾

(ترجمہ) کچھ شک نہیں کہ انسان بے صبرا پیدا ہوا ہے۔ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے۔ اور جب آسائش حاصل ہوتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بات عام انسانوں کے بارے میں فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، انسان زیادہ تر بے صبرا واقع ہوا ہے۔ ذرا سی تکلیف سے بہت جلد گھبرا جاتا ہے۔ لیکن جب اللہ اسے راحت پہونچاتا ہے تو یہی انسان اللہ اور اس کے بندوں کے تمام حقوق بھول جاتا ہے۔ لیکن سبھی انسان ایسے نہیں ہیں انسانوں کا ایک خاص طبقہ یعنی مومنین ایسا نہیں کرتے۔ ان کے کردار کی جھلک سورۃ المعارج کی آیات نمبر ۲۲ تا ۲۵ میں دیکھنے میں ملتی ہے۔

اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ

مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآىِٕلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾

(ترجمہ) مگر نماز گزار، جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں، اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے (یعنی) مانگنے والے کا اور نہ مانگنے والے کا۔

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ صرف یہ بھی فرما سکتا تھا کہ یہ لوگ غریبوں کا خیال رکھتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ یہاں وضاحت کے ساتھ فرماتا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ زکوٰۃ انتہائی ایمانداری کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس بات کو اچھی طرح سمجھ گئے تھے اسی لئے انہوں نے زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ حالانکہ وہ لوگ برابر نماز پڑھا کرتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب تک مسلمان زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ اسی لئے قرآن حکیم میں نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کا ذکر کئی بار آیا ہے۔ مثلاً سورۃ المزمل: ۲۰

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ

(ترجمہ) اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو نیک اور (خلوص نیت سے) قرض دیتے رہو۔

سورۃ المعارج کی آیات نمبر ۲۶ تا ۲۸ میں مومنوں کے مزید اوصاف درج ذیل ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾

(ترجمہ) اور جو روز جزاء کو سچ سمجھتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں، بے شک ان کے پروردگار کا عذاب ہے ہی ایسا کہ اس سے بے خوف نہ ہوا جائے۔

صحابہ کرام اللہ کی طرف سے ملنے والی سزا کے خوف سے ہمیشہ کانپتے رہتے ہیں۔ جب صحابہ کرامؓ نے یہ آیت سنی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کیا آپ بھی سزا کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں ہاں میں بھی سزا کے خوف سے لرزتا رہتا

ہوں۔ کیونکہ کسی شخص کو بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی سزا سے بالا نہیں سمجھنا چاہئے۔

اس خاص طبقہ کے لوگوں کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ لوگ صرف زبانی طور پر نہیں بلکہ روز قیامت میں پورا پورا محاسبہ کئے جانے کو یقینی جانتے تھے۔

مثال کے طور پر جن لوگوں کا اعمالنامہ ان کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہیں گے کہ ہماری کامیابی کا راز حساب وکتاب پر پختہ یقین ہے۔سورۃ الحاقہ:۲۰

اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ﴿۲۰﴾

(ترجمہ) مجھے یقین تھا کہ مجھ کو میرا حساب (کتاب) ضرور ملے گا۔

مومنین کے مزید اوصاف یہ ہیں۔سورۃ المعارج:۲۹۔۳۱

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰۤی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾

(ترجمہ) اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں یا لونڈیوں سے کہ (ان کے پاس جانے پر) انہیں کچھ ملامت نہیں اور جو لوگ ان حدود سے تجاوز کریں گے وہ حد سے نکل جانے والے ہیں۔

لہٰذا اس سے ہٹ کر کسی اور طریقہ سے جنسی تسکین حاصل کرنا غیر اسلامی ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے۔مومنین کے مزید اوصاف یہ ہیں۔سورۃ المعارج: ۳۲

وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾

(ترجمہ) وہ جو اپنی امانتوں اور اقراروں کا پاس کرتے ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ”وعدہ ایک قسم کا قرض ہے جس کا ادا کرنا لازمی ہے۔“

سورۃ المعارج: ۳۳

وَالَّذِیْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾

(ترجمہ) جو اپنی شہادتوں پر قائم رہتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ انہیں اپنا اللہ سے کیا ہوا وہ وعدہ یاد ہے جو انہوں نے داخل

اسلام ہوتے وقت کیا تھا۔ مومنین کے مزید اوصاف یہ ہیں۔ سورۃ المعارج: ۳۴

وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ عَلٰی صَلَاتِہِمۡ یُحَافِظُوۡنَ ﴿۳۴﴾

(ترجمہ) اور جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ المعارج میں مومنین کے اوصاف کا بیان نماز کی پابندی سے شروع فرما کر آخر میں نماز کی پابندی پر ہی ختم فرمایا۔ پس نماز اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے اہم وصف ہے اور قیامت کے دن سب سے پہلا سوال بندوں سے نماز ہی کے متعلق ہوگا۔ جو اس ٹیسٹ میں فیل ہوگیا اس سے کچھ بھی قبول نہ کیا جائے گا۔ آخر میں اللہ تعالیٰ خوشخبری سنا رہے ہیں۔ سورۃ المعارج: ۳۵

اُولٰٓئِکَ فِیۡ جَنّٰتٍ مُّکۡرَمُوۡنَ ﴿۳۵﴾

(ترجمہ) یہی لوگ باغہائے بہشت میں عزت واکرام سے ہوں گے۔

پس اللہ تعالیٰ اعلان فرما رہے ہیں جو لوگ مندرجہ بالا اوصاف کے حامل ہوں گے۔ وہ ضرور جنت میں داخل ہوں گے۔ ظاہری طور پر ان احکام کی لسٹ بہت لمبی لگتی ہے لیکن ہم ایک حکم پر ہی خلوص نیت سے عمل پیرا ہوں تو اللہ تعالیٰ خود بخود باقی احکام کی اطاعت بھی آسان فرما دیتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اندھیروں اور گمراہیوں سے نکال کر ہدایت عطا فرماتے ہیں۔ سورۃ الاحزاب: ۴۳۔ ۴۴

ہُوَ الَّذِیۡ یُصَلِّیۡ عَلَیۡکُمۡ وَ مَلٰٓئِکَتُہٗ لِیُخۡرِجَکُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ؕ وَ کَانَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَحِیۡمًا ﴿۴۳﴾ تَحِیَّتُہُمۡ یَوۡمَ یَلۡقَوۡنَہٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ اَجۡرًا کَرِیۡمًا ﴿۴۴﴾

(ترجمہ) وہی تو ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی۔ تاکہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے۔ اور اللہ مومنوں پر مہربان ہے۔ جس روز وہ اس سے ملیں گے ان کا تحفہ (اللہ کی طرف سے) سلام ہوگا اور اس نے ان کے لئے بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک بار پھر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ سورۃ

الاحزاب: ۴۷

وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾

(ترجمہ) اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑا **فضل** ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اپنے اس **فضل** کو حاصل کرنے والوں میں شمار کر لے۔

(آمین ثم آمین یا ربّ العالمین)

# قبلہ

قبلہ کا مطلب کیا ہے؟ اس کے لفظی معنی ہیں کسی طرف توجہ مرکوز کرنا، قبلہ کا مطلب نماز پڑھنے کی سمت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ سورۃ البقرہ: ۱۱۵

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

(ترجمہ) اور مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کا ہے تو جدھر تم رخ کرو ادھر اللہ کی ذات ہے بیشک اللہ صاحب وسعت اور باخبر ہے۔

اس آیت کریمہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لئے کسی مخصوص سمت کی چنداں ضرورت نہیں۔ پھر نماز کے لئے ایک قبلہ مقرر کر دینے میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ روزے رکھنا اور اللہ کا ذکر کرنا انفرادی عبادت ہیں۔ جبکہ نماز اور حج اجتماعی عبادات ہیں۔ قبلہ کا تعین کرنے کا مقصد ان دو اہم عبادات کے ذریعہ اتحاد و اتفاق کا درس دینا مقصود تھا۔ جس کے لئے ایک مخصوص سمت کا ہونا لازمی تھا، جہاں بلاامتیاز رنگ ونسل، خاندانی وقبائلی فرق، جغرافیائی حد بندیاں اور لسانی اور تہذیبی علیحدگی کو مٹا کر پوری امت مسلمہ کو ایک ہی رنگ میں رنگ دینا مقصود تھا۔ بقول علامہ اقبال ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز
نہ کوئی بندہ رہا، اور نہ کوئی بندہ نواز
بندۂ صاحب ومحتاج وغنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہونچے تو سبھی ایک ہوئے!

قبلہ ایک ہونے کی وجہ سے دنیا بھر کے مسلمان، چاہے وہ امیر ہوں یا غریب، کالے ہوں یا گورے، پڑھے لکھے ہوں یا جاہل، عورت ہو یا مرد، سب ایک ہو گئے۔ اتحاد واتفاق کی

ایسی مثال دنیا کے دوسرے مذاہب میں سرے سے ناپید ہے۔ اگر ایک ہی قبلہ نہ بنا دیا گیا ہوتا تو اتحاد و اتفاق ممکن ہی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کو ایک قبلہ عطا فرما کر شیر و شکر کر دیا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی دنیا میں تشریف آوری کے ساتھ فرشتوں کے ذریعہ بیت اللہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ سورۃ آل عمران: ۹۶

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾

(ترجمہ) پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لئے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو بکہ (یعنی مکہ) میں ہے، بابرکت اور جہان کے لئے موجب ہدایت۔

دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

تمام انسان اسی قبلہ کی طرف رخ کر کے عبادت کرتے رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں شدید سیلاب آنے کی وجہ سے کعبہ کی عمارت گر گئی۔ اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کعبہ کی از سر نو تعمیر کی۔ یہ قبلہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی امت کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد نبی اسرائیل کے چند انبیاء کی نبوت کے دوران بیت المقدس کو قبلہ مقرر کیا گیا تاہم یہ انبیاء نماز کے لئے بیت المقدس کا رخ اس طرح کرتے تھے کہ ان کا رخ بیت المقدس کے ساتھ ساتھ بیت اللہ کی طرف بھی ہوتا تھا۔ پھر القرطبی کے مطابق جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت پر نماز فرض ہوئی تو شروع میں قبلہ وہی تھا جو ان کے جدّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا۔ مکہ سے مدینہ ہجرت کے بعد یا بعض مؤرخین کے نزدیک ہجرت سے پہلے ہی اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کیا کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لئے حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان اس طرح کھڑے ہوا کرتے تھے کہ آپ کا رخ بیت المقدس اور کعبۃ اللہ دونوں ہی کی طرف ہوا کرتا تھا۔ بخاری کی ایک حدیث کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینے میں قیام کے دوران سولہ یا سترہ ماہ تک اپنا رخ بیت المقدس کی طرف کر کے نمازیں ادا فرمائیں قبلہ کے معاملہ میں بھی آپ اللہ کے قطعی مطیع

وفرمانبردار تھے۔ لیکن حضور ﷺ کی دلی خواہش یہی تھی کہ ان کے لئے بھی قبلہ وہی ہو جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے تھا۔ آپ ﷺ اس بارے میں وحی کا انتظار فرمایا کرتے تھے۔ اور بار بار چہرۂ مبارک اٹھا کر آسمان کی طرف پر امید نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے۔ سورۃ البقرہ: ۱۴۴

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ

(ترجمہ) (اے محمد ﷺ) ہم تمہارا آسمان کی طرف منہ پھیر پھیر کر دیکھنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم تم کو اسی قبلے کی طرف جس کو تم پسند کرتے ہو منہ کرنے کا حکم دیں گے۔ تو اپنا منہ مسجد الحرام (یعنی خانۂ کعبہ) کی طرف پھیر لو۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی یہ خواہش پوری فرمائی۔ اس آیت میں لفظ ''شطر'' قابل توجہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ پوری دنیا کے مسلمان نماز کے وقت حتی المقدور بیت اللہ کی طرف رخ کریں۔ ہاں وہ حضرات جو نماز کے لئے مسجد الحرام میں موجود ہوں قطعی طور پر خانہ کعبہ کی طرف رخ کریں۔

جیسے ہی مدینے کے یہودیوں کو معلوم ہوا کہ آج سے مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس نہیں بلکہ مسجد الحرام ہے تو ان لوگوں نے مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ یہ کیسا مذہب ہے کہ ایک دن ایک قبلہ ہے اور دوسرے دن دوسرا قبلہ۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اور اس تبدیلی سے خوفزدہ بھی تھے! کیونکہ جب تک مسلمان یہودیوں کی طرح بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے رہے تو یہودیوں کے نزدیک کسی حد تک قابل قبول رہے۔ اب قبلہ الگ ہونے کا مطلب یہ تھا کہ لوگ ایک الگ قوم کی حیثیت سے ابھرنے لگے ہیں۔ لہٰذا یہودی مسلمانوں کو دشمن کی نظر سے دیکھنے لگے۔

تبدیلی قبلہ کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ یہ مومنوں اور منافقوں کے درمیان ایک کسوٹی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورۃ البقرہ: ۱۴۳

وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَیْهِ ؕ

(ترجمہ) اور جس قبلے پر تم (پہلے) تھے اس کو ہم نے اس لئے مقرر کیا تھا کہ معلوم کریں کہ کون (ہمارے) پیغمبر کا تابع رہتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔

عائشہؓ سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اہل کتاب مسلمانوں سے تین وجوہات کی بنا پر حسد رکھتے ہیں۔ اوّل یہ کہ گزشتہ تمام امتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجتماعی عبادت کے لئے ایک خاص دن مقرر کیا تھا۔ یہودیوں کے لئے ہفتہ نصاریٰ کے لئے اتوار، اس لئے امت مسلمہ کے لئے جمعہ کے دن کا انتخاب ہوا۔ دوسری بات تبدیلی قبلہ کی ہے اور تیسری بات یہ کہ امام کے بعد ''آمین'' کہنا۔ (مسند احمد)

نوٹ فرمایئے کہ کبھی کبھی قرآن حکیم کسی سنت کو رد کر دیتا ہے۔ اور اگر رد نہیں کیا ہے تو سنت کی اہمیت قرآن کے حکم کے برابر ہے۔ مثال کے طور پر ابتدائی دور میں قبلہ کے رخ کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ مسلمانوں نے سنت کی پیروی کی۔ پھر اسے قرآن نے تبدیل فرما دیا۔ مگر ساتھ ہی قرآن نے اعلان فرمایا کہ امت کی اب تک کی ادا کی گئی نمازیں ضائع نہیں کی جائیں گی۔

بخاری اور مسلم کی ایک حدیث کے مطابق تبدیلی قبلہ کا حکم نماز عصر کے درمیان وارد ہوا، لیکن ایک اور روایت کے مطابق یہ تبدیلی نماز ظہر کے دوران عمل میں آئی۔ (ابن کثیر)

کچھ صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز ختم فرمائی۔ ان لوگوں نے دیکھا کہ کچھ لوگ ابھی تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کر رہے ہیں۔ ایک صحابیؓ نے با آواز بلند ان لوگوں سے کہا کہ ہم نے ابھی ابھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز مسجد الحرام کی طرف رخ کر کے ادا کی ہے۔ ان لوگوں نے یہ سنتے ہی نماز کے دوران ہی اپنا رخ بیت المقدس سے مسجد الحرام کی طرف پھیر لیا۔ تبدیلی قبلہ کی خبر دوسرے دن قباء پہونچی۔ بخاری اور مسلم کے مطابق ایک آدمی کے کہنے پر قباء والوں نے بھی نماز کے دوران ہی اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف پھیر

لیا۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرامؓ کو ایک دوسرے پر کس قدر اعتماد تھا۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اکثر و بیشتر معاملات میں کسی ایک آدمی کی شہادت کافی ہے۔

ابن عازبؓ کی ایک روایت کے مطابق جو بخاری نے نقل کی ہے، جب قبلہ کی تبدیلی عمل میں آئی تو لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان نمازوں کے بارے میں دریافت کیا جو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں ادا کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان کی نمازیں قطعاً ضائع نہیں ہوئیں خواہ وہ لوگ زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں۔ سورۃ البقرہ: ۱۴۳

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ

(ترجمہ) اور اللہ ایسا نہیں جو تمہارے ایمان کو یونہی کھو دے۔

یہاں نماز کی جگہ اللہ تعالیٰ نے ''ایمان'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ پس نماز کے بغیر ایمان موجود نہیں۔ اللہ ہم سب کو پانچوں وقت کی نماز با جماعت ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور سب مسلمانوں میں اتحاد پیدا کر دیں چونکہ ان کا قبلہ ایک ہی ہے۔ (آمین)



ویب سائٹ: www.easyquranfoundation.com
ای میل: info@easyquranfoundation.com
**Postal Address:**
Imtiaz Ahmad, P O Box 4321,
Madinah Munawwarah, Saudi Arabia

# حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و تقدس

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ سورۃ الاحزاب: ۵۶

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾

(ترجمہ) بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ ان پر تم بھی درود بھیجو اور ان پر خوب سلام بھیجا کرو۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں تو ہم پر بھی واجب ہے کہ ہم بھی ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایسا ہی اور اسی انداز میں احترام کریں۔ اس آیت کریمہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ رب العزت کو ہر مومن سے بھی محبت ہے۔ اسی لئے مومنین کو ایک ایسا اعلیٰ عمل کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں جو خود ذاتِ باری تعالیٰ بھی کرتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ اپنے عمل میں مومن کو بھی شریک کر کے مومن کی بھی عزت افزائی فرما رہے ہیں۔ پس ہم پر لازم ہے کہ جب بھی ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی سنیں تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام مندرجہ ذیل طریقے سے بھیجتے تھے۔

السلام علیك أیها النبی ورحمة الله وبركاته

یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو سلام عرض ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت نازل ہو۔

جیسا کہ بخاری میں درج ہے۔ حضرت کعب بن عجرہؓ سے مروی ہے کہ ایک دن ایک شخص نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا، اے پیارے نبی ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌO

اس عبارت کے چند اور بھی مسنون طریقے ہیں۔

اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتے ہیں۔سورۃ الاحزاب: ۴۵۔۴۸

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًاۙ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا﴿۴۶﴾ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا﴿۴۷﴾ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ دَعْ اَذٰىهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا﴿۴۸﴾

(ترجمہ) اے نبی! بے شک ہم نے تم کو گواہ بنا کر اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے اور اسی کی اجازت سے اللہ کی طرف بلانے والا بھی اور ہم نے تم کو روشن چراغ بنایا ہے۔ اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو کہ اُن کے لئے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہوگا۔ اور کافروں اور منافقوں کا کہا نہ ماننا اور آپ ان کے ایذا دینے کا خیال نہ کریں اور اللہ پر بھروسہ رکھنا اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔

مندرجہ بالا آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پانچ فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ بخاری میں درج ہے۔ عطاء بن یسارؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے پاس گیا اور ان سے درخواست کی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ فضائل بیان فرما دیں جن کا ذکر تورات میں کیا گیا ہے۔ انہوں نے مندرجہ ذیل عبارت پڑھی۔

اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاھِداً وَّمُبَشِّراً وَّنَذِیْراً وَّحِرْزاً لِّلْاُمِّیِّیْنَ اَنْتَ عَبْدِیْ وَرَسُوْلِیْ سَمَّیْتُكَ الْمُتَوَکِّلَ لَیْسَ بِفَظٍّ وَّلَا غَلِیْظٍ وَّلَا سَخَّابٍ فِی الْاَسْوَاقِ وَّلَا یَدْفَعُ السَّیِّئَةَ بِالسَّیِّئَةِ وَلٰکِنْ یَعْفُوْ وَیَغْفِرُ لَنْ یَّقْبِضَهُ اللہُ تَعَالٰی حَتّٰی یُقِیْمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ بِاَنْ یَّقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہُ وَیَفْتَحُ بِهٖ اَعْیُنًا وَ اٰذَانًا صُمًّا وَّقُلُوْبًا غُلْفًا

اے نبی ہم نے آپ کو گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور عربوں کا محافظ

بنا کر بھیجا ہے۔آپ میرے پیارے بندے ہیں اور رسول بھی۔ میں آپ ﷺ کو متوکل کا نام عطا کرتا ہوں (یعنی اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد رکھنے والا)۔ آپ ﷺ بازاروں میں شور مچانے والے نہیں۔ آپ ﷺ بُرائی کا جواب بُرائی سے نہیں دیتے۔ بلکہ آپ معاف فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو اس کرۂ ارض سے اس وقت تک واپس نہیں بلائے گا۔ جب تک آپ ان گمراہ لوگوں کی اصلاح نہ فرما دیں اور جب تک وہ لوگ یہ تسلیم نہ کرلیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے ذریعے اندھوں کی آنکھیں اور بہروں کے کان کھول دیں گے اور آپ کے ذریعے گمراہ دلوں کو منور کردیں گے۔

پس آپ کے یہ اوصاف قرآن میں بیان کردہ اوصاف کے مطابق ہیں۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔سورۃ آل عمران: ۱۵۹

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ

(ترجمہ) پس آپ اللہ کی رحمت سے اُن کے لئے نرم مزاج ہیں اور اگر آپ سخت مزاج اور سنگدل ہوتے تو آپ کے گردو پیش سے ضرور منتشر ہو جاتے۔

اس آیت کریمہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کسی شخص کی کوئی خوبی یا وصف اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے نہ کہ انسان کی اپنی حاصل کردہ۔ پس ہمیں چاہیئے کہ اپنے کسی وصف یا خوبی پر تکبر نہ کریں بلکہ نہایت انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

# تصانیف اور قارئین کرام کے خطوط

| | |
|---|---|
| 1. How Islam touched their hearts | ۱۔ ہم نے اسلام کیسے قبول کیا |
| 2. Speeches for an Inquiring Mind | ۲۔ شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات |
| 3. Reminders for the people of Understanding | ۳۔ اہلِ فکر کے لئے یاد دہانی |
| 4. Historical Sites of Madina Munawwarah | ۴۔ مدینہ منورہ کے تاریخی مقامات |
| 5. Inspiring Events of Makkah Mukarramah | ۵۔ مکّہ مکرمہ کے سبق آموز واقعات |

☆ امتیاز صاحب۔ میرا نام شہناز بیگم ہے۔ میں ایک برٹش انڈین مسلم ہوں۔ میری پیدائش اور نشوونما برطانیہ میں ہوئی مجھے آج تک انڈیا کسی اسلامی ملک جانے کا موقع نہیں ملا۔ مجھے اسلام سمجھنے میں بہت مشکل پیش آرہی ہے گو میں تین سال کی عمر سے اسلامی تعلیم کے لئے ٹیوشن پڑھ رہی ہوں۔ البتہ میں نے آپ کی کتابوں کو مفید اور دلکش پایا۔ یہ کتب میرا بھائی اپنے شام کے سفر کے دوران لایا۔ ان کتابوں کی زبان سادہ ہے اور میرے لئے ان کا سمجھنے بہت آسان ہے۔ غالباً یہ اس لئے کہ آپ امریکی ہیں اور آپ کا طرز تحریر میرے لئے موزوں ہے۔ میں اس وقت یونیورسٹی لاء کی طالبعلم ہوں اور آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ مجھے اپنی دیگر تصانیف بھی ارسال فرما دیں۔ شہناز۔ برطانیہ ۵ نومبر ۲۰۰۱ء

☆ مجھے آپ کی کتاب 'Speeches for an Inquiring Mind' (شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات) پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ یہ حدیث اور فقہ کے علاوہ انمول قرآنی تعلیمات سے مزین ہے۔ درحقیقت اس کتاب کے مضامین جنوبی افریقہ کے اسلامی اسکولوں کے لئے نہایت موزوں ہیں۔ میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں کہ اس پوری کتاب کو کماحقہ یہاں شائع کرکے اسلامی اسکولوں کے سلیبس میں شامل کرسکوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ نذیر احمد تالیہ۔ جنوبی افریقہ ۶ جنوری ۲۰۰۲ء

☆ میں ایم۔ بی۔ اے ہوں اور بطور لیکچرر کام کررہا ہوں میں نے حال ہی میں ہندو مذہب

کو خیر باد کہہ کر اسلام قبول کیا ہے۔ میں نے آپ کی تین کتابیں (Speeches, Reminders, New Muslims) پڑھیں اور انہیں نہایت مفید اور آپ کے طرز تحریر کو مؤثر پایا۔ میری دلی خواہش ہے کہ آپ ایسے نیک کاموں کو جاری رکھیں۔ محمد زبیر۔ انڈیا ۲۸ مئی ۲۰۰۳ء

☆ جونہی میں نے آپ کی کتاب 'ہم نے اسلام کیسے قبول کیا؟' پڑھنی شروع کی میں اسے آخری صفحہ تک پڑھے بغیر نہ چھوڑ سکا۔ یہ کتاب نہ صرف غیر مسلموں کے لئے مفید ہے بلکہ یہ مسلمانوں کے ایمان کو بھی تقویت دیتی ہے اور اُن کو مؤثر دعوت تبلیغ کے طریقے سے آشنا کرتی ہے۔ جعفر قاسم۔ زمبابوے۔ مارچ ۲۰۰۲ء

☆ میں نے آپ کی کتاب 'ہم نے اسلام کیسے قبول کیا؟' پڑھی اور اسے نہایت دلکش پایا۔ میں صرف یہ کہوں گی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے اور ہم نوجوان مسلمات کو بھی آپکے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔ سہادہ ماہامہ۔ گھانا افریقہ ۱۴ ستمبر ۲۰۰۱ء

☆ میں آپ کی کتاب Speeches پڑھ کر حیران رہ گیا کہ آپ نے بہت مشکل امور کو کتنے سادہ پیرائے میں بیان کیا ہے۔ میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں کہ اس کتاب کے مضامین وقتاً فوقتاً اپنے کمیونٹی کے اخبار میں شائع کر سکوں۔ محمود نورانی۔ کینیا۔ افریقہ ۲۸ جنوری ۲۰۰۱ء

☆ میں نے آپ کی صرف دو کتابیں پڑھی ہیں جو کہ یقیناً عجیب وغریب ہیں۔ میں نے لاتعداد اسلامی کتب کا مطالعہ کیا ہے لیکن آج تک ایسی مفید، سادہ اور واضح طرز تحریر نہیں پائی۔ ان کتابوں کے مضامین میرے جیسی نوجوان مسلمات کے تجسس اور ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ ذکیہ۔ برطانیہ ۱۱ مارچ ۲۰۰۲ء

☆ میں نے آپ کی کتاب 'ہم نے اسلام کیسے قبول کیا؟' پڑھی۔ اس نے میرے دل ودماغ پر ایسا اثر کیا کہ اس کے مطالعہ کے دوران میری آنکھوں سے بے ساختہ طور پر آنسو بہہ رہے تھے۔ مجھے پتہ چلا کہ میرے مسلمان بھائی اسلامی تبلیغ کا کام نہایت تن

دہی سے اسرانجام دے رہے ہیں۔ اور اس عمل سے لطف اندوز بھی ہوتے ہیں۔ جبکہ مجھے بے حد شرمندگی ہوئی کہ میں وہ کام نہیں کررہا جو مجھے بحیثیت مسلمان کرنا چاہئے۔ عبدالرحیم بابران۔ فلپین ۲۳ اپریل ۲۰۰۳ء

☆ میں نے آپ کی کتاب 'Speeches' پڑھی جو کہ مدینہ میں حج کے دوران بطور ہدیے تقسیم کی گئی۔ مجھے کتاب پڑھ کر دلی مسرت ہوئی یقیناً آپ کی کتاب سبق آموز، تبلیغ کی شاہکار اور علمی لحاظ سے اعلیٰ ورافع ہے۔ اسلام کے فروغ کے لئے آپ کی حکمت اور دوراندیشی بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ اس خط کا مقصد یہ ہے کہ آپکی اجازت سے اس کتاب کو افریقہ کی لوکل زبان ہوسا (Hausa) میں ترجمہ کرسکوں۔ اس طرح سے پورا براعظم افریقہ اس سے مستفید ہوسکے گا۔ محمد الامین توقر۔ نائیجریا۔ افریقہ ۱۳ جولائی ۲۰۰۱ء

☆ میں نے آپ کی کتاب' ہم نے اسلام کیسے قبول کیا؟' پڑھی اس نے میرے دل پر بہت اثر کیا۔ مجھ پر اسلام کی سچائی اور اہمیت مزید واضح ہوگئی۔ میں آج سے اسلام پر اور زیادہ کاربند ہونگی۔ اور آپ کی تعلیم وتبلیغ کی بے لوث خدمات سے بے حد متاثر ہوں۔ صفات بیگم۔ برما ۲ مئی ۲۰۰۳ء

☆ آپکی کتاب Reminders قرآن وحدیث کی تعلیمات سے بھرپور ہے۔ اس میں روز مرہ کے مسائل اور انکا حل درج ہے تاکہ انسان ایک پاکیزہ زندگی بسر کرسکے۔ کتاب کا سادہ بیان اور مؤثر طرزِ تحریر قابلِ ستائش ہے۔ ڈاکٹر اصغر علی شیخ۔ مدینہ منورہ۔ جون ۲۰۰۱ء

☆ آپ کی کتاب'Speeches' میری پسندیدہ اسلامی کتابوں میں سے ایک ہے۔ میں نے کتاب کےعنوان کو بہت دلکش پایا۔ طرزِ تحریر اور بیان میں روانی بھی قابلِ تعریف ہے۔ اس کا ہر مضمون متوازن انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اب مجھے آپ کی کتاب Reminders بھی مل گئی ہے۔ یہ بھی اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر شکیل فاروقی۔ مدینہ منورہ ۲۹ نومبر ۲۰۰۱ء

☆ میرا نام میڈور سلیمیٰ (Meddour Salima) ہے۔ میری عمر ۱۹ سال ہے۔ میں نے آپ کی کتاب 'ہم نے اسلام کیسے قبول کیا؟' پڑھی اور اسے بے حد دلچسپ پایا۔ میں حیران ہوں کہ ان نوجوانوں نے کیسے اسلام قبول کیا۔ پھر ان کی زندگیوں میں کیا تغیر آیا اور بالآخر انہوں نے اسلام کی خدمت کتنی خوبی اور محنت سے سرانجام دیں۔ میں دعا کرتی ہوں کہ میری شادی بھی کسی ایسے نوجوان سے ہو۔ میڈور سلیمیٰ۔ الجزائر دسمبر ۲۰۰۳ء

☆ امتیاز بھائی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک لڑکا عطا فرمایا ہے، میں نے اس کا نام آپکے نام پر امتیاز احمد رکھا ہے۔ مہربانی کر کے دعا کریں کہ یہ بھی آپکی طرح ذہین، مخلص اور مذہبی سوچ والا ہو۔ اور آپ کی دیگر خوبیوں کا حامل بھی۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اسلامی خدمات کو قبول فرمائیں اور آپ کو جنت فردوس میں جگہ دیں۔
فاطمہ بیلو، ابوجا، نائیجیریا، ۱۹ جنوری ۲۰۱۲ء

☆ مجھے آپ کا ویب سائٹ Google سے ملا۔ میں نے آپکی کتب کو اسلامی تعلیم کے فروغ کے لئے بہت مفید پایا۔ میں ان کا Malay زبان میں ترجمہ کرنا چاہتی ہوں۔ میں Malay زبان کی سند یافتہ مترجم اور ایڈیٹر ہوں۔ پس آپ کی اجازت کی طلبگار ہوں۔
Puteri Suriyani Megat Wazir، ملائشیا، ۲۵ مارچ ۲۰۱۲ء

☆ میری شادی چار ماہ قبل ہوئی ہمیں بہت تحفے ملے۔ میرے چچا نے ہمیں آپ کا لکھا ہوا شادی کا خطبہ بطور تحفہ دیا۔ یہ سب سے اچھا تحفہ تھا۔ ہم دونوں اس سے اب تک مستفید ہورہے ہیں۔ عاکیف اے وہاب، سری لنکا، ۱۲ جنوری ۲۰۱۲ء

☆ میں نے آپکی کتاب Reminders پڑھی۔ آج تک میں نے جتنی کتابیں پڑھی ہیں۔ یہ ان سب سے اچھی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر مسلمان آپ کے بیان کردہ ملاقات کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھیں تو امت مسلمہ کی سماجی زندگی بہت بہتر ہوسکتی ہے۔ آپ کی کتاب اسلئے سب سے ممتاز ہے۔ کیونکہ اس کا طرز بیان بہت سادہ ہے اور ہر بات کی آسانی سے سمجھ آجاتی ہے۔ میں اللہ کا شکرگزار ہوں، جس نے مجھے اس اسلامی تعلیم سے مزین کیا۔
۶ جون ۲۰۱۱ء انس فاروق، پاکستان۔

# ایک نئی مسلمہ کی ای میل (email)

برادرم امتیاز احمد صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں نے ۲۰۰۵ء میں حج کا فریضہ ادا کیا۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران مجھے آپ کی کتاب Reminders ملی۔ اس سے مجھے روحانی طور پر بہت فائدہ ہوا۔ اس لئے میں نے آپ کی دوسری کتابیں بھی آپ کے ویب سائٹ سے پڑھیں۔ میری دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ میں ایک کے بعد ایک ورق الٹتی جاتی۔ درحقیقت آپ کی کتابیں بہت دلکش اور بنی نوع انسان کے لئے بے حد مفید ہیں۔ امتیاز بھائی، میں آپ کی مشکور ہوں کہ آپ نے یہ غیر معمولی کتابیں تصنیف کیں۔ جن سے مجھے اور میرے ملک کے دوسروں لوگوں کو بے حد خوشی اور دینی ترقی نصیب ہوئی۔

آپ یہ پڑھ کر حیران ہونگے کہ میں نے اسلام صرف آٹھ سال پہلے قبول کیا۔ مجھے اسلامی زندگی بہت پسند ہے۔ اب میں دل ہی دل میں سوچتی ہوں کہ میں نے اس سے پہلے ہی اسلام کیوں نہ قبول کیا۔ میرا اسلام کی طرف سفر بہت دلچسپ ہے۔ میں ۱۹۶۹ء میں ایک کریسچین (نصرانی) گھر میں نائجیریا میں پیدا ہوئی۔ ہم چھ بہنیں ہیں اور میرے دو بھائی ہیں۔ میرے والد صاحب میرے بچپن میں ہی ۱۹۷۲ء میں فوت ہوگئے۔ اور میری فیملی دو حصوں میں بٹ گئی۔ میری ماں اور میرے کچھ بھائی اور بہنیں ہمارے چچا کے پاس ایک دور دراز گاؤں میں منتقل ہوگئے، جبکہ میری دو بڑی بہنیں اپنی ممانی صاحبہ کے پاس شہر میں ہی مقیم رہیں۔ اس گاؤں میں میرے پرائمری اسکول کے قریب ایک بڑی مسجد تھی میں اکثر مسلمانوں کو صف بہ صف کھڑے ہوکر نماز ادا کرتے دیکھتی۔ ان کی نماز کی ادائیگی کا طریقہ مجھے بہت اچھا لگتا اور مجھے اسلام میں بے حد دلچسپی پیدا ہوگئی۔ میں اپنی ماں سے اکثر کہتی کہ میں مسلمان بننا چاہتی ہوں۔ وہ ہر بار مجھے سختی سے منع کر دیتی، میں اپنی اماں جان کو ہرگز ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے میں کرسچین ہی رہی۔ البتہ میں نے قسم کھائی کہ میں ایک نہ ایک دن ضرور مسلمان ہو جاؤں گی۔

میری بڑی دونوں بہنیں ایک مسلم محلہ میں مقیم تھیں۔ وہ اپنے اردگرد مسلمانوں کے

صاف ستھرے طرز معاشرت اور کردار سے متاثر ہو کر مسلمان ہوگئیں اور دو مسلمان نوجوانوں سے شادی کر لی۔ انہوں نے اسلامی تعلیم و تربیت حاصل کی اور اب اپنے بچوں کی نہایت اعلیٰ طریقہ سے نشوونما کر رہی ہیں اور اپنی اسلامی زندگی سے بہت مطمئن ہیں۔

میری امی جان اپنے دامادوں کے حسن اخلاق سے بہت خوش ہوئی اور اسلام میں عورتوں کے حقوق کے تحفظ کو دیکھ دنگ رہ گئی۔ اس ذاتی تجربے کی بنا پر امی جان نے بھی مجھ سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیا۔ میری امی جان نے اپنے دیگر بچوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ عنقریب وہ خود اسلام کی خوبیاں دیکھ کر اسلام قبول کر لیں گے۔

اب میں نے بھی اسلامی کتابیں پڑھنی شروع کر دیں اور گاہے بگاہے اسلام کے بارے میں سوال کرتی رہتی۔ میں دل ہی دل میں سوچتی کہ پانچ وقت نماز ادا کرنا۔ عربی زبان میں قرآن پڑھنا۔ رمضان میں روزے رکھنا اور عورت کا اسلامی لباس میں ملبوس رہنا بہت کٹھن چیزیں ہیں۔ پس ذہنی طور پر مجھے اسلام قبول کرنے میں بہت ہچکچاہٹ محسوس ہوئی۔ گھر میں نماز کے وقت اپنی امی کو جگاتی لیکن اپنے آپ ذہنی طور پر تیار نہ کر پاتی۔ دراصل اس وقت میں کسی بھی مذہب پر کاربند نہ تھی۔ گویا میں ذہنی طور پر ایک گمشدہ عورت تھی۔

بالآخر ۱۹۹۷ء کے رمضان المبارک کے دوران مجھے اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور میں نے بہت سوچ بچار کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ اس سے مجھے بہت خوشی اور سکون نصیب ہوا۔ میں نے ایسے محسوس کیا کہ میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اٹھ گیا ہے۔ آپ کو یہ پڑھ کر خوشی ہوگی کہ اب تک ہم میں سے پانچ بہنوں اور میرے ایک بھائی نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ علاوہ ازیں میری اماں جان کے کردار کو دیکھ کر میرے کئی رشتہ داروں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ ہم سب امی جان کو اسلام کی ملکہ مانتے ہیں، میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے سیدھے راستے پر قائم اور دائم رکھے۔ آمین۔ ۱۵/ جون ۲۰۰۵ء Zulia Mohameed Nigera

نوٹ: یقیناً یہ ای میل ہم سب پیدائشی اور روائتی مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑی یاددہانی ہے، میں حیران ہوں کہ نئے مسلمان اپنی سماجی اور گھریلو مشکلات کے باوجود کتنے اخلاص اور ہمت سے اسلامی فرائض کو سرانجام دیتے ہیں۔ کاش ہم روائتی مسلمانوں میں بھی ویسا ہی اخلاص سرایت کر جائے۔ آمین امتیاز احمد

# ہدیہ تبریک

عجب ہے مشیّت کا یہ کارخانہ
بھرے پیٹ کو پوچھتا ہے زمانہ

یہ نورانی راتیں منوّر اجالا
خدا جانے کب ہو مدینہ میں آنا

کتابیں بہت خوب اردو سلیس
ذہن فلسفی اور قلم مدبرانہ

نہ ہم جانتے ہیں نہ پہچانتے ہیں
تمہارا تعارف فقط غائبانہ

ہوا ایک ہفتہ میں نہ امتیاز
صد افسوس تابشؔ سے ملنا ملانا

سید انوار الحسن تابشؔ بھوپالی
بھوپال (انڈیا)
مہاجر مدینہ منورہ، ۱۳؍فروری ۲۰۰۵ء